جنوری ۲۰۱۹ء

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

سالانہ زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ۲۸۰؍روپے۔ فی شمارہ ۲۵؍روپے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۸۴؍روپے

دیگر ممالک میں سادہ ڈاک ۱۶۲۰؍روپے۔ دیگر ممالک رجسٹرڈ ڈاک ۱۷۸۰؍روپے

ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۳۰۰؍روپے میں دستیاب۔

پاکستان میں ماہنامہ معارف کے لئے رابطہ کریں

HAFIZ SAJJAD ELAHI

196 - AHMAD BLOCK, NEW GARDEN TOWN

LAHORE (PUNJAB) PAKISTAN

Tel: 0300 - 4682752, (R) 5863609, (O) 7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں۔

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

- زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کر دیا جائے گا۔
- معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
- خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

Email: shibli_academy@rediffmail.com, info@shibliacademy.org

Website: www.shibliacademy.org

Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh

Account No: 4761005500000051 - IFSC No: PUNB0476100

✆ (Office Mobile) 09170060782

ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی (جوائنٹ سکریٹری/منیجر) نے معارف پریس میں چھپوا کر

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۲۰۳ ماہ جمادی الاول ۱۴۴۰ھ مطابق ماہ جنوری ۲۰۱۹ء عدد ۱

فہرست مضامین

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

اقلیت مخالف فسادات اور مظالم میں ملوث ملزمین کے خلاف انصاف کی لڑائی کتنی مشکل ہے اس سے وہ لوگ بخوبی واقف ہیں جن کو اس طرح کے معاملات سے دور نزدیک کا کبھی کوئی واسطہ رہا ہے۔ ملزمین کے سیاسی اثر و رسوخ اور بعض دوسرے اسباب کی وجہ سے ان مقدمات کو ممکنہ حد تک طول دیا جاتا ہے۔ اس کا ایک مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ انصاف کی لڑائی لڑنے والے تھک ہار کر بیٹھ جائیں۔ دوسرے اس وقفہ کو شواہد کو مٹانے اور حالات کو ملزمین کے لیے سازگار بنانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن گذشتہ دو مہینوں کے اندر دہلی ہائی کورٹ نے ان تمام ہتھکنڈوں کو ناکام بناتے ہوئے فسادات سے متعلق دو نہایت اہم مقدمات میں اپنا فیصلہ سنایا ہے اور انصاف کی لڑائی لڑنے والوں کو روشنی کی ایک کرن نظر آئی ہے۔ ۳۱/ اکتوبر کو دہلی ہائی کورٹ کی ایک بنچ نے ۳۱/ سال پرانے ہاشم پورہ قتل عام کا فیصلہ سنایا اور پی۔ اے۔ سی کے سولہ کارکنوں کو عمر قید کی سزا دی۔ اسی مقدمہ میں ۲۱/ مارچ ۲۰۱۵ء کو ایڈیشنل سیشن جج نے ملزمین کو بری کر دیا تھا۔ اب اسی ہائی کورٹ نے ۱۹۸۴ کے سکھوں کے قتل عام کے تعلق سے ایک نہایت اہم فیصلہ دیا ہے۔ اس قتل عام پر ۳۴ سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ان فسادات کے دوران صرف دہلی میں ۲۷۳۳ اور پورے ملک میں ۳۳۵۰ سکھوں کو قتل کیا گیا۔ غیر سرکاری اعداد و شمار اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ اس فساد میں نمایاں حصہ لینے والوں میں اس وقت کے کانگریس ایم۔ پی۔ سجن کمار بھی شامل تھے۔ ۲۰۱۳ میں ایک زیریں عدالت نے ان کو بری کر دیا تھا۔ لیکن جن لوگوں نے انصاف کے حصول کے لیے اس طویل اور اعصاب شکن جنگ میں حوصلہ نہیں ہارا ان میں ۷۹ سال جگدیش کور بھی شامل ہیں جو فسادات کے بعد امرت سر منتقل ہو گئی تھیں اور وہاں سے مقدمہ کی پیروی کرتی رہیں۔ آخر کار ان کی محنت رنگ لائی اور ۱۷ دسمبر ۲۰۱۸ کو دہلی ہائی کورٹ کے جسٹس مرالی دھر اور جسٹس ونود گویل کی بنچ نے سجن کمار کو عمر قید کی سزا سنا دی۔ اور اب وہ قید میں ہیں۔ عجیب اتفاق ہے کہ اسی بنچ نے ہاشم پورہ مقدمہ کا فیصلہ بھی کیا تھا۔ اس طرح انصاف کی جستجو میں ۳۴ سال کا طویل، مایوس کن اور بظاہر لامتناہی انتظار ختم ہوا۔ جگدیش کور ہی کی طرح ایک اور ضعیف اور کمزور خاتون جن کی عمر بھی تقریباً اتنی ہی ہے جتنی جگدیش کور کی، آج ۱۶ سال سے انصاف کے لیے عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹا رہی ہیں۔ ابھی ان کو ہر جگہ سے مایوسی ہی ملی ہے لیکن وہ اس جدو جہد سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ۲۰۰۲ میں گجرات کے بدنام زمانہ فسادات میں احمد آباد کی گلبرگ سوسائٹی میں ان کے شوہر اور کانگریس کے سابق ایم۔ پی احسان جعفری کو ۶۸ لوگوں کے ساتھ زندہ جلا دیا گیا تھا۔ احسان جعفری کی اسّی سالہ بیوہ ذکیہ جعفری جگدیش کور کی طرح ہار ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کا مقابلہ بہت طاقتور لوگوں سے ہے لیکن ذکیہ جعفری کو قانون کی طاقت پر یقین ہے۔ ہم کو بھی یقین ہے کہ ایک مظلوم خاتون

کی انصاف کے لیے یہ بہادرانہ جنگ ایک دن ضرور کامیابی سے ہم کنار ہوگی اور آج کے طاقت ور انصاف کے تقاضوں کے سامنے سرنگوں ہوں گے۔

اس فیصلہ میں عدالت عالیہ نے اسی مخصوص تناظر میں بعض اور نہایت اہم امور سے تعرض کیا ہے۔حسب توقع جو لوگ اس کے مخاطب ہیں انہوں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی ہے۔اونچی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں تک عام طور پر یہ آوازیں نہیں پہنچتیں۔عدالت نے اس طرح کے واقعات کے اسباب وعلل کا ذکر کرتے ہوئے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ہندوستان کا قانون انصاف نسل کشی اور انسانیت کے خلاف جرائم جیسے نہایت سنگین معاملات کے سلسلہ میں خاموش ہے۔عدالت عالیہ نے سکھ مخالف فسادات کو نسل کشی سے تعبیر کیا ہے۔عدالت نے بہت دکھ کے ساتھ اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ یہ فسادات نہ تو اس نوعیت کے پہلے فسادات تھے اور نہ بدقسمتی سے آخری۔اس کے پہلے اور بعد بھی اس طرح کے واقعات کا ایک طویل سلسلہ ہے۔اس سلسلہ میں عدالت عالیہ نے خاص طور سے ممبئی فسادات (۱۹۹۳)، گجرات فسادات (۲۰۰۲)، کندھامل فسادات (۲۰۰۸) اور مظفر نگر فسادات (۲۰۱۳) کا نام لیا ہے۔ظاہر ہے عدالت نے بطور مثال ان چند واقعات کا ذکر کیا ہے ورنہ دکھوں کی یہ فہرست تو بہت طویل ہے۔اس طرح کے تمام واقعات کے درمیان قدر مشترک یہ ہے کہ یہ سب اقلیتوں کے خلاف تھے۔ان میں سیاسی طور پر بااثر اور فعّال لوگ ملوث رہے ہیں۔وہ حکومتی ادارے جن کے اوپر قانون کے نفاذ کی ذمہ داری عاید ہوتی ہے وہ نہ صرف اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے سلسلہ میں شدید کوتاہی کے مرتکب ہوئے بلکہ قانون شکنی کے مرتکب مجرمین کے سلسلہ میں چشم پوشی اور اس سے بھی بڑھ کر ان کی کھلی اعانت کا ارتکاب کیا۔ان طاقتوں کے باہمی اتحاد اور تعاون سے نہ صرف جرائم کی شدت اور سنگینی میں اضافہ ہوجاتا ہے بلکہ انصاف کا حصول بھی مشکل ہوجاتا ہے۔اور جہاں اور جب انصاف ملتا بھی ہے تو اتنی تاخیر سے ملتا ہے کہ اس کی اہمیت اور معنویت ہی باقی نہیں رہتی۔سکھ مخالف فسادات کو عدالت عالیہ نے نسل کشی سے تعبیر کیا ہے۔اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ فسادات جن کا اوپر ذکر ہوا اور اس قبیل کے دوسرے بڑے فسادات جن کا ذکر یہاں نہیں کیا جاسکا، وہ سب اسی زمرہ میں آتے ہیں۔ان فسادات کے پیچھے جو مقاصد کارفرما تھے اور مجرمین ان کے ذریعہ جو نتائج حاصل کرنا چاہتے تھے نیز ان کو انجام دینے کے لیے جس نوعیت کی منصوبہ بندی کی گئی تھی، ان کا سرا بالآخر وہیں پہنچتا ہے جہاں نسل کشی اور انسانیت کے خلاف جرائم کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ان میں ملوث مجرمین کے ساتھ وہی سلوک کیا جانا چاہیے جو بین الاقوامی قوانین کے مطابق ایسے مجرمین کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ملک کے نظام قانون میں موجود اس کمی کو دور کیا جانا چاہیے۔

مدرسۃ الاصلاح کے سابق نائب ناظم اور ممتاز فاضل مولانا احمد محمود کوثر اعظمی صاحب کا ۸۹ سال کی عمر میں ۱۲ر دسمبر ۲۰۱۸ کو سرائے میر میں انتقال ہوگیا۔تدفین مدرسۃ الاصلاح کے قبرستان میں ہوئی۔وہ کچھ عرصہ سے علیل تھے۔زندگی کے آخری ماہ وسال تکلیف میں گذرے۔بیماری، پیرانہ سالی اور حالات کی ناسازگاری نے نڈھال کردیا تھا۔لیکن

جب تک قوی میں اعتدال تھا اور صحت کی دولت حاصل تھی انھوں نے جیسی بامقصد زندگی گذاری اس میں ہم سب کے لیے بڑا سبق ہے۔ طبیعت میں ابتداء ہی سے صلاح کا گہرا شعور رچا بسا ہوا تھا۔ احساس کی شدت اور اوائل عمری کی محرومیوں نے اس کے نقش کو مزید پختہ کردیا تھا۔ چنانچہ کم عمری ہی سے معاشرہ کی اصلاح اور سماجی برائیوں کے انسداد کے لیے کوشاں رہے۔ وطن اعظم گڑھ کی مشہور بستی طوی تھا۔ پیدائش نانیہال بکھرا میں ۷/جنوری ۱۹۲۹ کو ہوئی۔ یہ بھی ضلع کی ایک بہت معروف بستی ہے۔ ابھی عمر چند مہینہ ہی تھی کہ والدہ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگئے۔ دادا کا سایہ بھی جلد ہی جاتا رہا۔ چنانچہ پرورش دادی کے زیر سایہ ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر اور گاؤں کے اسکول میں حاصل کی۔ ۱۹۴۰ میں مدرسۃ الاصلاح میں داخل ہوئے اور اسی کی آغوش تربیت میں تعلیم کے مراحل مکمل کیے۔ قرطاس و قلم سے رشتہ طالب علمی کے زمانہ میں ہی استوار ہوگیا تھا چنانچہ قیام مدرسہ کے زمانہ میں ہی کثرت سے مضامین لکھے۔ اس زمانہ میں مدرسۃ الاصلاح میں جماعت اسلامی کا بہت اثر تھا۔ کوثر صاحب ایسے ذہن و دماغ کے ایک نوجوان کا اس تحریک سے متاثر ہونا فطری تھا۔ چنانچہ طالب علمی ہی کے زمانہ میں اس کی رکنیت اختیار کرچکے تھے۔ وہ ایک اچھے اہل قلم ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت کامیاب خطیب بھی تھے۔ قلم اور زبان دونوں صلاحیتوں کو انھوں نے اس مشن کی ترویج و توسیع کے لیے خوب استعمال کیا۔ اپنے وطن طوی میں تعلیم کی توسیع اور معاشرہ کی اصلاح کے لیے ان کی خدمات یادگار اہمیت کی حامل ہیں۔ بچیوں کی تعلیم کے لیے درس گاہ قائم کی، دارالمطالعہ بنایا اور تعلیم بالغاں کے لیے کوشاں رہے۔

وہ ۱۴ سال مدرسۃ الاصلاح کے نائب ناظم رہے۔ اس دوران انھوں نے مدرسہ کے تعلیمی اور تربیتی نظام کو بہتر بنانے کی مسلسل کوشش کی۔ ان کی مساعی سے مدرسہ کی چہار دیواری کی تعمیر کا کام مکمل ہوا۔ طلبہ کے سالانہ مجلہ کی اشاعت انھی کی دلچسپی اور توجہ کی مرہون منت ہے۔ طلبہ کے اندر تحریری ذوق پیدا کرنے کے سلسلہ میں اس مجلہ کا کردار بہت اہمیت کا حامل رہا ہے۔ وہ اچھے شاعر تھے اور کم عمری ہی سے شعر کہنے لگے تھے۔ ان کی نظمیں ہندوستان اور پاکستان کے معیاری رسائل میں نہایت کثرت سے چھپتی رہیں۔ ان کی خاص دلچسپی کا موضوع ادب اطفال تھا۔ بچوں کی تربیت اور ذہن سازی کے لیے انھوں نے بہت سی نظمیں اور کہانیاں لکھیں۔ اس میں شبہہ نہیں کہ ادب اطفال کے میدان یں ان کا مقام بہت بلند ہے۔ ان کی بہت سی تخلیقات ابھی تک شائع نہیں ہوسکی ہیں۔ ان کی اشاعت علم و ادب کی ایک بڑی خدمت ہوگی۔ کسب معاش کے لیے انھوں نے سرائے میر میں کوثر پریس کے نام سے ایک پریس قائم کیا تھا۔ اسی نسبت سے ان کا قیام سرائے میر میں تھا۔ ایک زمانہ میں اس کا شمار ایک اچھے پریس کی حیثیت سے ہوتا تھا۔ اس کی اسی شہرت کی وجہ سے شعبہ تاریخ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے ایک فارسی متن یہاں سے چھپوایا تھا۔ ذاتی طور پر مجھے ہمیشہ ان کی شفقت اور محبت حاصل رہی۔ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین!

مقالات

مہاجرین مکہ کی مدنی منازل کا انتخاب
قرعہ اندازی کی کارفرمائی

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

مصادر حدیث وسیرت سے سیرت نبویؐ کی نگارش میں ماہرین فن اور اساطین علم سے اخذ و بیان واقعات میں بھی چوک ہوجاتی ہے۔اس کا ایک قابل عبرت نمونہ مہاجرین مکہ کی ہجرت مدینہ کے بعد مدینہ منورہ کے دو مقامات ـ قبا اور خاص شہر مدینہ ـ میں قیام گاہوں کے انتخاب کا معاملہ ہے۔قبا، شہر کا بالائی علاقہ (العالیہ) تھا جہاں قبیلہ اوس کے بطن بنوعمرو بن عوف اور ان کے متعدد خاندانوں کی ایک اچھی خاصی بستی تھی۔خاص شہر مدینہ منورہ اس کے زیریں حصہ میں ہونے کے سبب زیریں علاقہ کہلاتا اور اسی میں دونوں مدنی قبیلے اوس وخزرج کے منازل و مکانات تھے۔جدید اردو سیرت نگاری کے عظیم ترین مولفین اور ان میں سے متعدد محققین کرام نے مہاجرین مکہ اوران کے سردار وآقا اور مولائے کائناتؐ کے قبا اور مدینہ میں قیام گاہوں کا انتخاب ان کے ذاتی فیصلہ، شخصی صواب دید اور روایتی طریق پر بیان کیا ہے اور ایک آدھ کے سوا اصل کارساز وفیصلہ کن طریق انتخاب منازل کا حوالہ تک نہ دیا۔ان میں جدید اردو سیرت نگاری کے امامان ہمامان شبلی وسلیمان ندوی بھی شامل اور سرفہرست ہیں۔قاضی محمد سلیمان منصور پوری، مولانا عبدالرؤف دانا پوری، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حکیم محمود احمد ظفر، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، مسعود احمد اور متعدد دوسرے نامور علماء ومحققین اور اہل حدیث وصاحبان فقہ سیرت شامل ہیں تو دوسروں کا کیا ذکر۔ان میں سے کئی نے قرعہ اندازی کا حوالہ تو دیا ہے مگر اسے کوئی اہمیت نہ دی اور اپنے مباحث وتحقیقات سے اس کی کارفرمائی کی نفی کردی۔متعدد کا بیان منازل بھی ناقص ہے اور اصلاح وتصحیح کا طالب۔اس تجزیاتی وتحقیقی مقالے

پروفیسر، صدر، ڈائرکٹر (سابق) ادارہ علوم اسلامیہ وشاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

میں سنت نبویؐ کی ایک جہت قرعہ اندازی کی ایک خاص کاریگری کا مطالعہ مقصود ہے۔(شبلی، سیرۃ النبیؐ، دارالمصنّفین اعظم گڑھ ۱۹۸۶ء؛۱/ ۲۷۵) قیام قبا:''.....اورکلثوم بن الہدم خاندان کے افسر تھے۔یہ فخر ان کی قسمت میں تھا کہ میزبان دو عالمؐ نے انہی کی مہمانی قبول کی۔اکثر صحابہ جو آنحضرتؐ سے پہلے مدینہ میں آچکے تھے وہ بھی انہی کے گھر میں اترے تھے چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ، مقدادؓ، خبابؓ، سہیلؓ، صفوانؓ، عیاضؓ، عبداللہ بن مخرمہؓ، وہب بن سعدؓ، معمر بن ابی سرحؓ، عمیر بن عوفؓ اب تک انہی کے مہمان تھے۔جناب امیرؓ یہیں ٹھہرے''۔بحوالہ صحیح بخاری، صفحہ ۵۶۰، ابن سعد، سیرۃ نبویؐ صفحہ ۱۵۰، ابن سعد، تذکرہ کلثوم بن ہدم، ۱/ ۲۷۹، قیام مدینہ:''جہاں اب مسجد نبویؐ ہے، اس سے متصل حضرت ابوایوب انصاریؓ کا گھر تھا، کوکب نبوی یہاں پہنچا، سخت کشمکش تھی کہ آپؐ کی میزبانی کا شرف کس کو حاصل ہو؟ قرعہ ڈالا گیا اور آخر یہ دولت حضرت ابوایوبؓ کے حصہ میں آئی''۔(حاشیہ میں شبلی نے روایات واحادیث پر بحث کرکے نتیجہ نکالا ہے کہ''آنحضرتؐ نے عمداً ایسا کیا تھا اور حضرت ابوایوبؓ کے گھر اترنا اسی قرابت (ننہالی خاندان) کی وجہ سے تھا'')

قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی، ۱۹۸۰ء، ۱/ ۹۱-۹۶ نے قبا میں قیام گاہ کا ذکر کیا ہے اور نہ میزبان کا، البتہ مدنی قیام گاہوں کے بارے میں خوب لکھا ہے کہ ''ہر انصاری چاہتا تھا کہ وہ مہاجر اسی کے پاس ٹھہرے، آخر قرعہ اندازی ہوئی اور جس کے نام پر قرعہ نکل آتا وہ مہاجر بھائی کو اپنے گھر لے جاتا''۔مگر قیام گاہ نبویؐ کا ذکر خیر نہیں فرمایا۔

مولانا عبدالرؤف دانا پوری، اصح السیر، جدید طباعت کتب خانہ نعیمیہ دیوبند غیر مورخہ، ۶۴-۶۵:''آپؐ قبا میں آئے، بنی عمرو بن عوف میں علی الراجح بن الہدام (کے مکان میں قیام فرمایا، چودہ راتیں قبا میں قیام کیں''۔) میں کلثوم بن الہدم کے املا اور سعد بن خیثمہ کے مکانات میں قیام نبویؐ کی بحث موسیٰ بن عقبہ، واقدی، طبری اور ابن قتیبہ کی روایات پر کرکے اول الذکر کو ترجیح دی ہے)۔قیام مدینہ''اور اسی کے پاس حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مکان تھا۔اونٹ اسی مربد میں بیٹھ گیا، حضورؐ نے حضرت ابوایوبؓ کے مکان میں قیام فرمایا''۔دوسری روایات ونگارشات خاص کر مصادر اصلی میں اونٹنی/ قصواء کا ذکر ہے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیؐ، دارالکتاب دیوبند غیر مورخہ، ۱/ ۳۹۷، ۴۱۰:

"آنحضرتؐ جب قبا پہنچے تو آپؐ نے کلثوم بن ہدم کے مکان پر قیام فرمایا اور ابوبکر صدیقؓ حبیب بن اساف کے مکان میں ٹھہرے۔ حضرت علیؓ قبا پہنچے اور کلثوم بن ہدم کے مکان پر آپؐ کے ساتھ قیام کیا"۔ (بحوالہ سیرۃ ابن ہشام، ۱/۱۷۴) قیام مدینہ: "چنانچہ اللہ کے حکم سے اونٹنی اسی مکان کے دروازے پر جا کر ٹھہری کہ جو تبع نے پہلے ہی آپؐ کی نیت سے تیار کرایا تھا۔ شیخ زین الدین مراغیؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ رسول اللہؐ مدینہ منورہ میں ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر نہیں اترے بلکہ اپنے مکان پر تو بے جا نہ ہوگا اس لیے کہ یہ مکان تو اصل میں آپؐ ہی کے لیے تیار کرایا گیا۔ ابوایوبؓ کا قیام تو اس مکان میں محض آپؐ کی تشریف آوری کے انتظار میں تھا"۔ (بحوالہ روض الانف ۱/۲۴۴، مولانا موصوف نے تمام روایات سیرت اور احادیث نبویہ کو نظر انداز کر کے ایک صوفیانہ غلط روایت اور منکر روایت کو قبول کیا ہے۔ اصلاً اس کا ماخذ سیرۃ ابن اسحاق ہے)۔

حکیم محمود احمد ظفر، سیرت خاتم النبیین، راحت پبلشرز لاہور ۲۰۱۶ (طبع جدید)، ۴۴۳۔ ۴۴۶ "کلثوم بن ہدم کے ہاں قیام فرمایا، حضرت علیؓ نے بھی ان کے ہاں قیام فرمایا" (بحوالہ زادالمعاد ۲/ ۵۴؛ ابن ہشام، ۱/ ۴۹۳)، "آپؐ نے عزیزوں میں سب سے قریبی حضرت ابوایوبؓ کے گھر قیام فرمایا"۔ (بحوالہ فتح الباری ۷/ ۲۰۱؛ زادالمعاد، ۲/ ۱۵۵)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرور عالم، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۹ء، ۲/ ۷۳۰۔ ۷۴۲۔ "یہ بات متفق علیہ ہے کہ قبا میں قیام قبیلہ اوس کی ایک شاخ بنی عمرو بن عوف کی بستی میں رہا۔ یہ بھی ثابت ہے کہ وہاں آپ کی میزبانی کا شرف حضرت کلثوم بن ہدم کو حاصل ہوا (حاشیہ مولف صرف ان کی شخصیت و اسلام کے بارے میں ہے)۔ "اسی زمانے میں حضرت علیؓ مکہ سے حضورؐ کی خدمت میں پہنچ گئے اور آپؐ کے ساتھ ہی کلثوم بن ہدم کے ہاں قیام کیا"۔ متعدد مصادر حدیث و سیرت کے بیانات و روایات نقل کر کے مولف گرامی نے بہرحال حافظ ابن حجر کی اصابہ میں مسند احمد کے حوالے سے حضرت ابوایوبؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ "جھگڑے کی صورت میں قرعہ ڈالا گیا اور میرا نام نکلا"۔ اس کا تجزیہ مودودی ہے: "ان مختلف بیانات کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضورؐ حضرت ابوایوبؓ کے ہاں اترے ہوں گے اور بعد میں آ کر دوسرے قبیلوں نے یہ چاہا ہوگا کہ اس شرف میں انہیں بھی حصہ ملے۔ اس پر قرعہ اندازی کی نوبت آئی ہوگی اور حضورؐ نے بھی لوگوں کو یہ فرما کر مطمئن کیا ہوگا کہ اس خاندان

میں میری پہلے سے قرابت ہے''۔

مولانا سید ابوالحسن حسنی ندوی، السیرۃ النبویۃ، دارالشروق مکہ ۱۹۸۹ء، ۱۹۷-۲۰۰: وأقام رسول اللہ ﷺ بقباء اربعة ایام .... ''وخرج رسول اللہ ﷺ الی المدینة .... یطلبون منه الاقامة عندهم .... فیقول: خلوا سبیلها: فانها ماموره، ووقع ذلک مراراً .... حتی اذاأتیٰ داربنی مالک بن النجار، برکت علی مکان فیه باب المسجد النبوی الیوم .... فاحتمل ابوایوب .... رحله فوضعه فی بیته ونزل علیه رسول اللہ ﷺ ....واقام رسول اللہ ﷺ فی بیت ابی ایوب سبعة اشهر...''(بحوالہ ابن ہشام، ق ا،ص ۴۹۴؛ ابن کثیر ۲/ ۲۷۹ وغیرہ مصادر سیرت)۔

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم، اردو، المجلس العلمی علی گڑھ ۱۹۸۸ء، ۲۶۹-۲۷۲: قیام قبا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبا میں کلثوم بن ہدم اور کہا جاتا ہے کہ سعد بن خیثمہ کے مکان پر قیام فرمایا۔ پہلا قول زیادہ قوی ہے''۔ حضرت علیؓ نے بھی کلثوم بن ہدم کے یہاں قیام فرمایا؛ بحوالہ زادالمعاد، ۲/ ۵۴، ابن ہشام، ۱/ ۴۹۳؛ رحمۃ للعالمین، ۱/ ۱۰۲)۔ قیام مدینہ: ''یہ آپ کے ننہال والوں کا یعنی بنونجار کا محلہ تھا اور یہ اونٹنی کے لیے محض توفیق الٰہی تھی کیونکہ آپؐ ننہال میں قیام فرما کر ان کی عزت افزائی کرنا چاہتے تھے۔ بنونجار نے عرض معروض کی لیکن ابوایوب انصاریؓ نے لپک کر کجاوہ اٹھالیا اور اپنے گھر لے گئے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمانے لگے: آدمی اپنے کجاوے کے ساتھ ہے، پھر صحیح بخاری کی حدیث انسؓ سے یہ نتیجہ نکالا ہے حضرت ابوایوبؓ کا مکان سب سے قریب تھا لہٰذا آپ دونوں حضرات چلیں''، بحوالہ صحیح بخاری، ۱/ ۵۵۶، دونوں حضرات کا ذکر وحوالہ بخاری میں نہیں ہے اور نہ کسی اور روایت میں، یہ واقعہ کے بھی خلاف ہے)۔

مسعود احمد، صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین، ادارہ اشاعت دینیات (پرائیوٹ) لمیٹڈ نئی دہلی، ۲۰۰۷ء، ۱/ ۱۹۰-۱۹۱ ومابعد حاشیہ کے لیے۔ ''آپؐ مدینہ کی ایک مرتفع (مضافاتی بستی یعنی) بنوعمرو بن عوف کے محلہ میں جا کر اترے۔ رسول اللہؐ نے وہاں چودہ دن قیام فرمایا/ ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ میرے ہاں قیام فرمائیں، رسول اللہؐ نے فرمایا میں عبدالمطلب کی ننہال یعنی بنونجار کے ہاں قیام کروں گا۔ آپؐ اسی ننہال میں حضرت ابوایوبؓ کے ایک جانب اتر گئے۔ (ہجرت کا پورا واقعہ بخاری ومسلم کے مختلف

کتب وابواب سے نقل کیا ہے اور فرمان نبوی مسلم سے ہے۔ قرعہ کا حوالہ بالکل نہیں ہے)

قرعہ اندازی کی احادیث وروایات: جدید اردو سیرت نگاری کے عظیم مولفین، حدیث وسیرت کے ماہر علمائے اسلام اور محققین وناقدین کے ان بیانات سے عام تاثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ نے آپؐ کی آمد سے پیشتر قبا اور مدینہ دونوں مقامات پر اپنی منازل کا انتخاب خود اپنی پسند، قرابت، میزبان انصار کی محبت وشیفتگی اور ان جیسی دوسری وجوہ سے کیا تھا اور یہ صرف تاثر ہی نہیں عام تفہیم بھی ہے۔ مصادر سیرت اصلی اور ماخذ حدیث نبویؐ کی متعدد روایات واحادیث گرامی اس کے برخلاف یہ ثابت کرتی ہیں کہ مہاجرین مکہ اور رسول اکرمؐ کے انتخاب منازل ومساکین میں کارساز وکارفرما اور فیصلہ کن طریق ''قرعہ'' تھا جو سادات واکابر انصار نے شروع ہی سے اختیار کیا تھا۔ اس تجزیاتی بحث کو دو قسم کے مباحث میں پیش کرنا زیادہ موزوں لگتا ہے کہ احادیث وروایات قرعہ اسی دوگونہ تقسیم کو بیان کرتی ہیں: اول عام مہاجرین اولین کے قیام کے مسئلہ سے نمٹنے کے لیے انصار کرام کا قرعہ اندازی کا طریق اختیار کرنا کہ وہ پہلے آئے تھے، دوم رسول اکرمؐ کی مدینہ آمد اور قیام کے مسئلہ کے حل کے لیے دونوں مقامات شہر پر قرعہ اندازی کے ذریعہ فیصلہ کرنے کا طریقہ عام۔

مہاجرین مکہ کے قیام (سکنیٰ) کے لیے قرعہ اندازی، قبا میں منازل مہاجرین: مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آنے کے لیے سیدھا راستہ قبا سے تھا اور وہی مسافروں، واردین اور مہاجرین کی اولین منزل تھی۔ ہجرت مدینہ کے مسلسل کاروانوں کا اور افراد اور اکادکا مہاجروں کا پہلا پڑاؤ قبا میں ہوتا تھا جیسا کہ واقعات ہجرت ثابت کرتے ہیں۔ مہاجرین میں اولین شرف ہجرت حاصل کرنے والے صحابی جلیل حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد مخزومیؓ تھے، جنھوں نے ابن اسحاق کے مطابق بیعت عقبہ ثانیہ کے معاً بعد ہجرت نبوی سے دو ماہ قبل ہجرت کی تھی اور تن تنہا۔ ان کے بعد تسلسل کے ساتھ حضرت عامر بن ربیعہؓ ان کی اہلیہ، ان کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور عمار بن یاسرؓ اور پھر حضرت بلالؓ بن رباح حبشی آئے اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ بن عفان ان کی زوجہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہؐ نے ہجرت کی۔ تین خاندانوں، بنو مظعون، بنو بکر اور بنو جحش بن رءاب/ اسد خزیمہ نے اجتماعی طور سے ہجرت کی، ان میں تیس چالیس افراد تھے۔ اسی طرح حضرت عمر بن خطابؓ عدوی نے اپنے خاندان اور دوسرے افراد کے ساتھ ہجرت کی اور وہ بیس سے زیادہ تھے۔ ان کی ایک بڑی تعداد تھی اور ان میں

سے بہت سے قبا میں سکونت پذیر ہوئے اور بہت سے قبا کے عارضی قیام کے بعد مدینہ شہر پہنچے۔ ان کے لیے قیام (سکنیٰ) کا مسئلہ قرعہ اندازی کے طریق سے حل کیا گیا، اگرچہ قبا کے منازل کے باب میں قرعہ اندازی کا واضح ذکر نہیں آتا۔

قبا میں بنوعمرو بن عوف وغیرہ کے منازل مہاجرین: اسعد بن زرارہؓ، حضرت طلحہ بن عبیداللہ تیمیؓ ۳/ ۱۱۵، کلثوم بن ہدمؓ۔ حمزہؓ بن عبدالمطلب ہاشمی، ۳/ ۷، علیؓ بن ابی طالب ہاشمی، ۳/ ۱۴، عبداللہؓ بن مخرمہ، ۳/ ۲۱۶، عمیرؓ بن عوف، ۳/ ۲۱۷، وہبؓ بن سعد، ۳/ ۲۱۷، سعدؓ بن خولہ/ خولی، ۳/ ۲۱۷، ابوعبیدہؓ بن جراح فہری، ۳/ ۲۱۸، سہیلؓ بن بیضاء، ۳/ ۲۲۱، معمرؓ بن ابی سرح فہری، ۳/ ۲۲۲، عیاضؓ بن زہیر فہری، ۳/ ۲۲، عمروؓ بن ابی عمرو فہری، ۳/ ۲۲۲، ابومرثدؓ غنوی، ۳/ ۲۷ (بروایت واقدی)، انسہؓ مولائے نبوی، ۳/ ۲۸، ابوکبشہ مولائے نبوی، ۳/ ۲۸، خبابؓ بن الارت تمیمی ۳/ ۸۹۔

سعد بن خیثمہؓ، بیت الاعزاب (نزول العزاب من اصحاب رسول ﷺ): حضرات زید ابن حارثہؓ، ۳/ ۲۶، ابومرثد اور فرزند مرثد غنوی، ۳/ ۲۷ (بروایت عاصم بن عمر بن قتادہ)، انسہ مولائے نبوی (بروایت عاصم بن عمر)، ابوکبشہ مولائے نبوی (بروایت عاصم بن عمر)، ۳/ ۲۸، عبداللہ بن مسعود ہذلی، ۳/ ۸۰، ذوالیدین/ ذوالشمالین عمیر بن عبدعمرو سلمی خزاعی، ۳/ ۸۹، صہیب بن سنان، ۳/ ۱۲۲، بلال بن رباح حبشی، ۳/ ۱۲۴؛ عامر بن فہیرہ، ۳/ ۱۲۳۔

عباد بن بشر اشہلی اوسیؓ، حضرات ابوحذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ عبشمی اور ان کے مولیٰ سالم، قبا کے مقام العصبہ میں، ۳/ ۷ ۴- ۴۸۔

عبدالرحمن بن سلمہ العجلانیؓ، بنومطلب کے افراد حضرات عبیدہؓ بن حارث، برادران طفیلؓ، الحصینؓ، مسطحؓ بن اثاثہ، ۳/ ۲۹۔

عبداللہ بن سلمہ العجلانیؓ، عتبہ بن غزوان اور خباب مولیٰ عتبہ، ۳/ ۵۳، طلیب بن عمیر (عبد بن قصی)، ۳/ ۶۶، بنومظعون۔ عثمان، قدامہ، عبداللہ، سائب بن عثمان۔ اور مولیٰ معمر بن حارث رضی اللہ عنہم، ۳/ ۲۱۱۔

مبشر بن عبدالمنذرؓ، عبداللہ بن جحش، ابواحمد بن جحش، عکاشہ بن محصن، ابوسنان بن محصن، سنان بن ابی سنان، شجاع بن وہب و برادر عقبہ، اربد بن حمیرہ، معبد بن نباتہ، سعید بن رقیش، یزید بن

قیش، محرز بن نضلہ، قیس بن جابر، عمرو بن محصن، مالک بن عمرو، صفوان بن عمرو، ثقاف بن عمرو، ربیعہ بن اکثم، زبیر بن عبید، فنزلوا جمیعاً علی مبشر بن عبدالمنذر، ۳/۴۹، ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی، ۳/۱۲۸، شماس بن عثمان مخزومی، ۳/۱۳۰، عمار بن یاسر مذحجی، ۳/۱۳۳ رضی اللہ عنہم۔

حزام بن ودیعہ، بنومظعون (دوسری روایت واقدی میں)، ۳/۲۱۱۔

رفاعہ بن عبدالمنذرؓ، سعید بن زید بن عمرو بن نفیلؓ، ۳/۲۰۵، بنوالبکیر، عاقل خالد، عامر، ایاس، مع خواتین/نساء ہم۔ ۳/۲۰۸، واقد بن عبداللہ تمیمی، ۳/۲۰۹، خنیس بن حذافہ سہمی، ۳/۲۱۰، حاطب بن عمرو عامری، ۳/۲۱۶۔

خبیب بن یساف/اساف یا خارجہ بن زید بن ابی زہیرؓ، ابوبکر صدیقؓ ۳/۹۲۔۹۳۔

المنذر بن محمد بن عقبہ بن احیحہ بن الجلاحؓ، زبیرؓ بن العوام اسدی، ۳/۵۵، حاطب بن ابی بلتعہ لخمی اور ان کے مولیٰ سعد، ۳/۶۱، ابوسبرہ بن ابی رہم عامری، ۳/۲۱۵۔

قبا کے مختلف اکابر و سادات بنوعمرو بن عوف/اوس کے مکانات میں اولین مہاجرین کے قیام و مدارات کا ذکر عام ملتا ہے۔ اس سے قیاس یہی کیا جاتا ہے کہ عام مہاجرین اولین اور بعد میں سیدالمہاجرینؐ اور آپؐ کے رفقائے کرام یا متاخر مہاجرین کرام نے اپنی پسند سے اپنے میزبانوں کا انتخاب کیا تھا کیونکہ روایات میں ان کے "نزول" کے سبب کا حوالہ نہیں دیا جاتا لیکن بعض اسباب و حوالے ان کے انتخاب یا نزول کی علت بتاتے ہیں جیسے کنوارے صحابہ کرام یا بغیر اہل وعیال والے اصحاب ہجرت بالعموم حضرت سعد بن خیثمہؓ کے گھروں میں اترے تھے اور اس وجہ سے وہ بیت الاعزاب/العزاب کہلانے لگا تھا، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ متاخرین و اولین دونوں قسم کے مہاجرین کرام میں متعدد نے اس کنوارے گھر میں قیام و نزول نہیں فرمایا جیسے اولین سابقین میں حضرت سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہ عبشمیؓ تھے اور متاخرین میں حضرت علی بن ابی طالب ہاشمیؓ نمایاں تھے۔ اول الذکر نے قبا ہی میں کسی اور مکان میں نزول فرمایا اور پورے قیام قبا کے دوران وہ مسجد قبا میں امامت کرتے تھے جس کے مقتدیوں میں صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ جیسے اکابر صحابہ شامل تھے اور یہ ایسا صرف اس لیے تھا کہ وہ اصول نبویؐ کے مطابق قرآن مجید کے سب سے بڑے قاری/عالم اور معلم و مدرس تھے۔ حضرت علی بن ابی طالب ہاشمیؓ خالص کنوارے ہونے کے باوجود اہل وعیال والوں کے میزبان

حضرت کلثوم بن الہدم کے گھر اترے تھے اور دوسرے بھی کئی ایسے کنوارے اور صاحبان اہل وعیال تھے۔ گذشتہ تمام/ بیشتر میزبان انصاری اکابر کے جدول سے ان کا ازدواجی مرتبہ طے کیا جاسکتا ہے۔ یہاں یہ بھی نکتہ توجہ طلب ہے کہ ازواج/ اہل وعیال کے ساتھ سفر ہجرت کرنے والے صحابہ کرام کی خواتین/ گھر والیوں کا حوالہ نزول اجلال کے ضمن میں نہیں آتا حالانکہ وہ بھی اپنے مردوں کے ساتھ آئی تھیں جیسے تین مکی مہاجر خاندانوں، بنومظعون، بنوبکیر، بنوغنم بن دودان، کا خاص الخاص معاملہ تھا یا حضرت عامرؓ بن ربیعہ جیسے جوڑوں کا یا دوسرے قافلوں میں شریک خواتین کا۔ دوسرا قیاس یہ کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ انصار قباء نے خود فیصلہ کیا تھا کہ کون کس کا میزبان بنے گا اور کون کون مہاجرین کرام کہاں قیام کریں گے۔ اس صورت میں قرعہ اندازی کی کارفرمائی اور اس کے اطلاق کی ضرورت اور زیادہ نظر آتی ہے۔ خواہ اس قرعہ کی صورت وطریقت کچھ رہی ہو۔ متعدد اور معلوم نو دس اکابر قبا کے گھروں میں مختلف اوقات میں آنے والے مہمانوں اور مہاجروں کا قیام اسی قرعہ اندازی یا انتخاب کی وجہ سے رہا تھا۔ ان میں ایک خاندان/ قافلہ/ جوڑے/ طبقہ کے ایک ساتھ ایک ہی انصاری صحابہ کے منزل/ منازل قبا میں اترنے کا معاملہ واضح اور عام روایات میزبانی کے مطابق ہے لیکن ایک قافلہ ہجرت اور ایک کاروان مہاجرین کے دو یا تین یا زیادہ افراد کا الگ الگ میزبانوں کے گھروں میں نزول وقیام کا معاملہ قابل غور وفکر ہے۔ اور ان میں نبوی قافلہ ہجرت کے تین ارکان اور ان کے رہبروں/ دلیل کا الگ الگ گھروں/ منازل صحابہ قبا میں قیام سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے۔

مہاجرین اولین کے لیے قرعہ اندازی: رسول اکرمؐ سے قبل مدینہ منورہ آنے والے صحابہ کرام میں حضرت عثمان بن مظعون جمحیؓ اپنی خاص صفات کی وجہ سے نمایاں ترین تھے۔ ان کے قیام و انتخاب مکان/ سکنیٰ کے بارے میں روایات سیرت اور احادیث نبویؐ کا اتفاق ملتا ہے کہ ان کے لیے قرعہ اندازی کی گئی تھی۔ ان کے برادران وصاحبزادہ اور خواتین پر مشتمل پورے قافلہ ہجرت کے قیام و میزبانی کے لیے قبا میں صرف ایک گھر کافی نکلا تھا مگر مدینہ میں ان کے قیام وقرعہ کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔ امام ابن سعد نے اپنے استاذ امام واقدی کی روایت ان کی سند سے حضرت ام العلاء انصاریہؓ سے نقل کی ہے جس کا متن ہے:

”....نزل رسول اللہ ﷺ والمھاجرون معہ فی الھجرۃ فتشاحت الانصار

فیھم ان ینزلوھم فی منازلھم حتی اقترعوا علیھم فطار لنا عثمان بن مظعون علی القرعۃ، تعنی وقع فی سھمھا‘‘۔ یہ حضرت عثمان بن مظعون جمحیؓ کے تذکرہ کی روایت امام واقدی ہے۔ میزبانہ صحابیہ حضرت ام العلاء انصاریہؓ کے تذکرہ جلیلہ میں اماماں سیرت کی یہی روایت مختصر آئی ہے: ’’.... وھی التی قالت: ان الانصار تنافسوا فی المھاجرین حتی اقترعوا علیھم فطار لنا فی القرعۃ عثمان بن مظعون ....‘‘۔ (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳/۳۱۱-۲۱۴ ومابعد، ۸/۴۶۱: حضرت عثمان بن مظعون جمحیؓ کے لیے قرعہ اندازی کے ذریعہ سکنیٰ کا انتخاب تو اماماں سیرت و حدیث کی روایات واحادیث میں مذکور ہے مگر ان کے برادران گرامی قدر اور فرزند عزیز حضرت سائب ابن عثمان جمحیؓ کے مساکن کا انتخاب اور ان کے قرعہ اندازی کا ذکر نہیں کیا جاتا بالعموم لیکن ان کے نزول/ قیام کے مقامات اور ان کے میزبان کا ذکر ملتا ہے۔ ابن سعد ہی کی روایات میں یہ ذکر ملتا ہے کہ وہ سب حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانیؓ کے گھر اترے تھے لیکن یہ قیام قبا کے اجتماعی نزول سے متعلق ہے)

بخاری احادیث حضرت ام العلاء انصاریہؓ: ۱۲۴۳ اور اس کے اطراف: ۲۶۸۷، ۳۹۲۹، ۷۰۰۳، ۷۰۰۴، ۷۰۱۸ میں عام انصاری قرعہ اندازی کا حوالہ آتا ہے اور اس کا سیاق وسباق حضرت عثمان بن مظعون جمحیؓ کی قرعہ اندازی کے ذریعہ صحابیہ جلیلہ بلکہ ان کے خاندان ’’آل ام العلاء‘‘ کے حصہ میں پڑنے کی صراحت کی گئی ہے۔ اصل اور اولین حدیث بخاری کا متن خاصا مختصر ہے:

’’...انہ اقتسم المھاجرون قرعۃ فطار لنا عثمان بن مظعون، فانزلناہ فی ابیاتنا... الخ‘‘۔ دوسری حدیث بخاری: ۲۶۸۷ میں متن واضح ہے ’’.... أن عثمان بن مظعون طار لہ سھمہ فی السکنیٰ حین اقترعت الانصار سکنی المھاجرین، قالت ام العلاء فسکن عندنا عثمان بن مظعون ....‘‘۔ شارح ابن حجر عسقلانی نے مختصر ترین شرح کی ہے: ومعنی ذلک ان المھاجرین لما دخلوا المدینۃ لم یکن لھم مساکن فاقترع الانصار فی انزالھم فصار عثمان بن مظعون لآل ام العلاء فنزل فیھم....‘‘۔ مہاجرین کی عام قرعہ اندازی کی طریقت کی وجہ سے صرف حضرت عثمانؓ بن مظعون حضرت ام العلاءؓ کے گھروں میں سکونت پذیر ہوئے تھے اور ایک مدت تک تقریباً اپنی وفات تک ان کے ساتھ رہے۔ (بخاری/ فتح الباری ۳/۱۴۷-۹۴۹: کتاب الجنائز ۵/۳۶۰-۳۶۲: کتاب الشہادات، باب القرعۃ فی المشکلات،

اور دوسری کتب اور ابواب)

اماماں سیرت ابن سعد و واقدی اور امام حدیث بخاری دونوں کے اصل راوی حضرت ام العلاء انصاریؓ کے خاندانی عزیز حضرت خارجہ بن زید بن ثابتؓ تھے اور ان ہی سے امام زہریؒ نے روایت کیا تھا اور ان کے بعد کے رواۃ کا فرق ہے۔ واقدی روایات میں سلسلہ روایت یہ ہے: ''**محمد بن عمر، قال: اخبرنا معمر عن الزھری**...... الخ۔ اور دوسری روایت میں اس سلسلہ کے بعد دوسری سند ہے: **قال: اخبرنا مالک بن اسماعیل ابو غسان عن ابراھیم بن سعد قال اخبرنا ابن شھاب**.... الخ۔

امام حدیث بخاری کے اولین رواۃ / مشائخ مختلف ہیں جیسے: ۱۲۴۳: **حدثنا یحییٰ ابن بکیر حدثنا اللیث عن عقیل عن ابن شھاب**۔ ۲۶۸۷: **حدثنا ابو الیمان اخبرنا شعیب عن الزھری**.....۔

اسانید واقدی میں سے ایک میں اولین راوی کی نسبت زیادہ متعین ملتی ہے: خارجۃ بن زید بن ثابت، جبکہ دو اسانید میں بخاری سند کی طرح خارجہ بن زید ہے۔ دونوں اماموں کی اسانید میں ان کے اپنے مشائخ کا اختلاف واقعی اور صحیح ہے اور امام زہری سے اوپر اولین راویہ تک دونوں میں اتفاق اہم ہے۔ وہ نہ صرف اماماں سیرت وحدیث کا اجماع ہے بلکہ امام واقدی کی توثیق بخاری بھی۔

قیام ونزول مدینہ: قرعہ اندازی کی طریقت انصار کا ذکر خاص مدینہ منورہ میں مہاجرین کی سکونت وقیام کے حوالے سے دونوں قسم کے مصادر میں آیا ہے جیسا کہ حضرت عثمان بن مظعون جمحیؓ کے باب میں صراحت کے ساتھ ملتا ہے اور بعد میں رسول اکرمؐ کے قیام وسکنیٰ کے انتخاب میں اسی مقام طیبہ کے حوالے سے آتا ہے۔ اس قرعہ اندازی میں دو طرح / نوع کی روایات واحادیث ملتی ہیں: ایک خاص مہاجرین کے قیام کے لیے قرعہ اندازی کی اور دوسری عام صحابہ مہاجرین کے منازل ومساکن کے لیے قرعہ اندازی کی۔ ان دونوں عام وخاص انواع قرعہ اندازی سے انتخاب کا مسئلہ حل کیا گیا۔

احادیث بخاری: ۱۲۴۳ اور اس کے اطراف متعدد نیز روایات امام ابن سعد وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون جمحیؓ تن تنہا حضرت ام العلاء انصاریہؓ کے گھر میں اترے تھے۔ اس باب میں نہ تو احادیث وروایات میں ان کے اہل وعیال کے بارے میں کوئی حوالہ ملتا ہے اور نہ شارحین

کے ہاں جبکہ ان کے خاندان، بنومظعون کی احادیث وروایات ہجرت مدینہ میں ان کے خاندان واہل وعیال/خواتین کے ساتھ ہجرت کرنے کا واقعہ متفقہ ہے۔ ابن سعد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اہلیہ، کم سے کم ان کے ساتھ اپنے قرعہ اندازی والے مکان ضیافت ہی میں سکونت پذیر رہی تھیں۔ ''ابو بردہؓ کی روایت کے مطابق حضرت عثمان بن مظعونؓ کی ایک بیوی ازواج مطہرات کے پاس آئیں تو پراگندہ حال تھیں۔ انہوں نے دریافت کیا کہ تم تو قریش کے مالدار ترین شخص کی بیوی ہو پھر کیا حال ہے؟ انہوں نے اپنے شوہر کی قائم اللیل اور صائم النہار عبادات کا ذکر کیا۔ رسول اکرمؐ کے علم میں یہ واقعہ آیا تو آپ نے ان کو اپنے اسوۂ حسنہ کی پیروی اور اپنے جسم وچشم اور اہل کے حق ادا کرنے کا مشورہ دیا۔ پھر وہ زوجہ عثمان آئیں تو دلہن کی طرح سجی سنوری تھیں اور ان کے شوہر نے ان کے حقوق ادا کیے تھے''۔ اس روایت سے بہرحال حضرت عثمان بن مظعون جمحیؓ کی اہلیہ کا ان کے ساتھ قیام ثابت ہوتا ہے (ابن سعد، ۳/ ۲۱۱ ومابعد: حضرت عثمان بن مظعون جمحیؓ بدری تھے اور ہجرت مدینہ کے ایک مدت بعد فوت ہوئے۔ بعد میں ان کے خاندان کو اقطاعات نبوی سے مکانات ملے)۔

قیام گاہ/سکنیٰ نبویؐ کے لیے قرعہ اندازی: حضرت ابوایوب خالد بن زید نجاری خزرجیؓ (بنو مالک بن النجار کے خاندان/ بنوغنم بن مالک بن النجار) رسول اللہؐ کے جدامجد حضرت عبدالمطلب ہاشمی کے ننھیالی (بنوعدی بن النجار، ابن اسحاق، ۱/ ۹۵) کے ایک اہم وسربرآوردہ شیخ کے علاوہ خاصے آسودہ حال شخص تھے۔ عام روایات سیرت اور احادیث محدثین میں یہ صراحت ملتی ہے کہ آپؐ نے ان کے دولت کدے میں مدینہ شہر آتے ہی قیام وسکونت کا فیصلہ فرمایا۔ متعدد احادیث وروایات ہیں:

۱۔ شہر خاص: مدینہ منورہ کے مختلف اکابر وسادات انصار کے محلوں سے گزرے اور سب نے یکے بعد دیگرے آپؐ سے اپنے ہاں قیام ومہمانی کی التجا کی کہ وہ صاحبان شرف وجاہ، مالکان تعداد و اسلحہ اور اہل حشمت وطاقت ہیں مگر آپؐ نے سب سے یہی فرمایا کہ میری اونٹنی، قصواء کو چھوڑ دو کہ وہ منجانب اللہ مامور ہے: خلوا سبیلها، فانها مامورة۔ یہاں تک کہ آپؐ موجودہ مسجد نبویؐ کے دروازے پر پہنچے جو اس وقت ''مربد'' کہا جاتا تھا اور وہاں وہ اونٹنی بیٹھ گئی اور پھر اٹھ کر چلی اور پھر آکر وہیں بیٹھ رہی اور آپؐ اترے اور قریب ترین مکان کے بارے میں دریافت فرمایا اور حضرت ابوایوب انصاریؓ نے عرض کیا کہ میرا مکان قریب ترین ہے اور وہ آپؐ کا کجاوہ لے گئے اور آپؐ نے فرمایا: ''آدمی اپنے

کجاوے سے وابستہ ہے لہٰذا میں ابوایوبؓ کے گھر ٹھہروں گا"۔

۲۔بعض احادیث میں ہے کہ آپؐ نے پہلے ہی صراحت فرمادی تھی کہ میں اپنے دادا کے ننہالی، عزیزوں، بنوالنجار کے گھر اور عزیزوں میں اتروں گا جیسے مذکورہ بالا حدیث مسلم میں اس کا اظہار صریح اور اعلان واضح ملتا ہے۔

۳۔تیسری روایت قرعہ اندازی کی ہے کہ انصار کرام نے دوسرے مہاجرین مکہ کی مانند آپؐ کے قیام و سکنیٰ کے لیے بھی قرعہ اندازی کی جیسا کہ بخاری کی مذکورہ بالا احادیث: ۱۲۴۳، ۲۶۸۷ وغیرہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ صرف صحابی جلیل حضرت عثمان مظعون جمحیؓ کے لیے نہیں کی گئی تھی بلکہ بشمول رسالت مآبؐ تمام مہاجرین کرام کے لیے عام قاعدہ وطریقہ انتخاب تھا۔امام حدیث احمد بن حنبل کی مسند کی احادیث اور امام بخاری کی احادیث اور ان کی شروح حافظ عسقلانی وغیرہ سے اس باب خاص میں انصاری قرعہ اندازی اور اس کے نتیجہ میں حضرت ابوایوبؓ کے حصہ میں آپؐ کے آنے کا ذکر ملتا ہے۔

احادیث قرعہ،مسند احمد بن حنبل: حدیث حضرت انس بن مالکؓ: ۱۲۷۹۳/۱۲۷۹۶۔دونوں میں صرف صحابی راوی کا بیان و مشاہدہ ہے کہ رسول اللہؐ حضرت ابوایوبؓ کے گھر (فناء دارابی ایوب) میں اترے۔ان دونوں احادیث میں رسول اکرمؐ کے اپنی اونٹنی سے نزول اجلال فرمانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ حدیث بخاری: ۳۹۳۲ میں حضرت انسؓ کا یہی مشاہدہ ہے: "....و کان انظر الیٰ رسول اللہ علی راحلۃ و ابو بکر ردفہ و ملاء من بنی النجار حولہ حتی القی بفناء ابی ایوب ...."۔خود میزبان نبوی حضرت ابوایوب انصاری کی حدیث مسند: ۲۲۹۹۶ میں وضاحت ہے کہ جب رسول اللہؐ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔انصار نے قرعہ اندازی کی کہ رسول اللہؐ کس کے ہاں تشریف فرما ہوں،قرعہ فال حضرت ابوایوبؓ کے مطابق میرے نام نکلا اور آپ ان کے گھر ہی اترے: ".... اقترعت الانصار ایھم یووی رسول اللہ فقرعھم ابو ایوب ...."۔(مسند احمد بن حنبل: ۵/۴۱۴؛ وینسنک وغیرہ، المعجم المفھرس الالفاظ الحدیث النبوی)

حیات طیبہ: ۱۷۸-۱۷۹، ۱۸۳-۱۸۴۔

حلبی، السیرۃ النبویۃ، مرتبہ عبداللہ بن محمد الخلیل، دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۲۰۰۸، ۲/۸۴،

کی شرح حدیث ہے: ای وعن ابی ایوب .... "لما قدم النبی ﷺ المدینة اقترعت الانصار ایهم یاویه فقرعتهم" الحدیث: وقد یقال، مراده بالانصار اهل تلک المحلة التی برکت فیها الناقة"۔ مقصود یہ ہے کہ یہاں انصار سے مراد وہ خاندان/ اکابر ہیں جن کے محلہ میں آپؐ کی اونٹنی بیٹھی تھی۔ حلبی نے اس کے علاوہ متعدد دوسری روایات قدوم/ ورود مدینہ جیسے حدیث انس مذکورہ بالا کی شرح کی ہے اوراس کے متن میں اضافہ بھی کہ قبا کے قیام کے آخری دن/ رات آپؐ نے بنوالنجار کے ایک ملأ (طبقہ اکابر) کو بلوا بھیجا تھا اور وہ ہتھیار بند بن کر آئے تھے اور اپنے جلو میں لے کر آپ کو مدینہ شہر لائے تھے اور اس روایت میں اختصار کا خیال ظاہر کیا ہے۔ ان کے علاوہ دوسری روایات واحادیث پر بھی بحث ہے اوران سب کا مقصود تمام روایات میں تطبیق دینا ہے اور قرعہ اندازی کے ذریعہ آپؐ کے قیام وسکونت منزل ابی ایوبؓ کو مستند ومدلل بنانا ہے۔

ننہالی قرابت کا مسئلہ: بنوالنجار/ خزرج یوں تو بطن کے لحاظ سے پورا رسول اکرمؐ کا ننہال تھا لیکن بنوالنجار کے متعدد گھرانے تھے جیسے بنومازن بن النجار، بنوعدی بن النجار، بنودینار بن النجار، بنومالک بن النجار وغیرہ اوران میں سے موخرالذکر کے کئی ذیلی خانوادے تھے جیسے بنوغنم بن مالک بن النجار، بنوعمرو ابن مالک بن النجار بنوعامر بن مالک بن النجار وغیرہ۔ ان میں سے متعدد خاندانوں کے اکابر وسادات انصاری صحابہ میں تھے اور مدینہ منورہ کے محلوں میں قریب قریب آباد تھے۔ رسول اکرمؐ کے دادا کا راست ننہالی خاندان بنوعدی بن النجار تھا جس کے اکابر میں شامل تھے، حارثہ بن سراقہ، عمرو بن ثعلبہ اورحرام بن ملحان وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ موخرالذکر رسول اکرمؐ کے خادم حضرت انسؓ بن مالک خزرجی کی ماں حضرت ام سلیمؓ کے بھائی تھے اور حضرت ام سلیمؓ کے شوہر حضرت ابوطلحہؓ بنوعمرو بن مالک بن النجار کے شیخ تھے۔

ان کے علاوہ بہت سے دوسرے عظیم سادات بنوعدی بن النجار تھے اور وہ بہت مالدار ومخیر بھی تھے۔ وہی آپؐ کے راست ننہالی عزیز تھے اور قریب ترین تھے: حضرت انسؓ بن مالک ان کے چچا انسؓ بن النضر، ابوسلیط اسیرہ بن عمروؓ اصل نانا عبدالمطلب یعنی عمرو بن زید/ بنی عدی بن النجار کی اولاد میں کئی سربرآوردہ شخص بھی تھے لیکن آپؐ حضرت ابوایوب خالد بن زید انصاریؓ کے گھر اترے اور ان کا تعلق بنومالک بن النجار کے ایک ذیلی خاندان بنوغنم بن مالک بن النجار سے تھا۔ وہ بہرحال آپؐ

کے اصل ننہال کے فرد نہ تھے لہٰذا روایات واحادیث میں بنوالنجار کے عزیزوں میں اترنے سے مراد بزرگ تر خاندان ہے اوران میں سے انتخاب ابوایوبؓ قرعہ اندازی کے ذریعہ ہوا تھا۔ان کے مکان کی قربت اورآپؐ کے کجاوے پرحضرت ابوایوبؓ کے قبضہ اوراونٹنی کے فناء ابوایوبؓ میں بیٹھنے کی واقعیت نے اس پر مہرتصدیق لگادی۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کے ہم خاندان اور غالباً متمول ترین اور مخیرترین نجاری صحابی حضرت حارثہ بن النعمانؓ تھے۔وہ بنوغنم بن مالک بن النجار کے عظیم ترین اکابروسادات میں تھے۔ ان کے بارے میں اصحاب سیرت وحدیث کا متفقہ بیان ہے کہ ان کے مکانات ومنازل رسول اللہؐ کے منازل کے قریب تھے،رسول اکرمؐ کو جب بھی کوئی ضرورت پیش آتی یا آپ نئی شادی کرتے تو حضرت حارثہ بن نعمانؓ اپنا ایک گھر پیش کردیتے اور خود دوسرے مکان/منزل میں چلے جاتے۔یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے حارثہ بن النعمان سے حیا آنے لگی ہے کہ وہ ہمارے لیے اپنے منازل/مکانات خالی کرنے لگے ہیں۔(ابن سعد، ۳/ ۲۵۵: **قال محمد بن عمر: وکانت لحارثة بن النعمان منازل قرب منازل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالمدینة: فکان کلما احدث رسول اللہ اھلا تحول له حارثة بن النعمان عن منزل بعد منزل حتی قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لقد استحییت من حارثة بن النعمان مما یتحول لنا عن منازله**“)

اتنے سربرآوردہ اورصاحبان قلب وخیر کے درمیان رسول اکرمؐ کے قیام وسکنیٰ پرسب اکابر خاندان ومحلہ کا اصرار قرار واقعی تھا اوراس کی واحد سبیل قرعہ اندازی تھی۔امام حلبی کی یہ تشریح کہ جس محلہ میں آپؐ کی اونٹنی بیٹھ گئی اور جہاں آپؐ نے نزول اجلال فرمایا اس کے انصار کرام نے قرعہ اندازی کی اوراس میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کا نام نامی نکلا جو مسند سے بھی ثابت ہے،لہٰذا آپؐ نے اپنے قیام کے شرف سے حضرت ابوایوب انصاریؓ کو مشرف کیا اوراس سے بنوالنجار کے اکرام اوررشتہ داری کی رعایت بھی ہوگئی۔میزبان نبوی حضرت ابوایوب انصاریؓ کے حق میں اونٹنی،ناقہ نبوی قصواء نے اپنی ماموریت کی وجہ سے اولین قرعہ ڈالا تھا،جب وہ باربار”فناابی ایوب“کے پاس ہی بیٹھ جاتی رہی۔ رسول اکرمؐ نے اسی کے ذریعہ اکابر انصار وسادات کے اصرار والحاح کا تصفیہ فرمایا تھا۔دوسرا باب قرعہ اورانداز انتخاب حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان کے قریب ترین ہونے کا رہا اوروہ بھی مسجد نبویؐ

کے قریب تر بھی تھا۔ تیسرا ان کا کجاوہ ناقہ نبوی اپنے گھر لے جانے کی سبقت کا تھا کہ عرب محاورہ اور روایت ضیافت اور فرمان نبویؐ میں آدمی اپنے کجاوہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان تمام وجوہ و اسباب اور روایات و احادیث سے قرعہ اندازی کی آخری کاریگری ہی کی تائید و تصدیق ہوتی ہے اور اس سے تمام متعلقہ احادیث و روایات میں بہ خوبی تطبیق بھی ہوجاتی ہے۔ سب سے اہم بات یہ کہ خالص روایت و حدیث قرعہ ابی ایوبؓ کے فیصلہ کن کام ہونے کی تصدیق مزید ہوتی ہے۔

تاریخی شواہد کی گواہی: احادیث نبویؐ اور روایات سیرت دونوں سے مہاجرین مکہ کے قیام و سکنیٰ کے باب میں قرعہ اندازی کی کارفرمائی ثابت ہوتی ہے، خواہ وہ قبا کے عارضی قیام و سکونت کے لیے کی گئی ہو، خواہ شہر خاص کے منازل و مساکن کے انتخاب کی خاطر کی گئی ہو۔ ان کے ساتھ تاریخی شواہد و دلائل اور احادیث و روایات سیرت کے دلالت متن کے طریق سے بھی قرعہ اندازی کے ذریعہ انتخاب منازل کا مسئلہ طے ہوتا ہے۔ اس شہادت و دلالت میں سب سے نمایاں معاملہ اور امر واقعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سکونت و منزل کا قبا اور مدینہ دونوں جگہ کا ہے۔ یہ عجیب و غریب اور کسی قدر نا قابل فہم معاملہ ہے کہ یار غار، رفیق سفر ہجرت اور جاں نثار صدیق اکبرؓ نہ تو قبا میں حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مہمان بن سکے اور نہ مدینہ منورہ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کے دولت خانے میں اپنے آقا و مولیٰ کائنات کے ساتھ شرف قیام پا سکے۔ یہ اور بھی عجیب تر لگتا ہے اور عرب فیاضی و سخاوت کی عظیم و جلیل روایات کے برخلاف بھی کہ ایک ہی قافلہ ہجرت اور کاروانِ مسافرت کے رکن اعظم کو ایک گھر میں اتارا گیا اور اس کے دوسرے رکن رکین صدیق اکبرؓ کو ایک اور مسکن انصار میں اور ان کے مولیٰ عامر بن فہیرہؓ کو ایک تیسرے گھر میں قیام و مہمانی کے لیے جانا پڑا۔ قبا میں حضرت صدیق اکبرؓ اس کے ایک محلہ/ گاؤں سنح (س ن ح) کے میزبان و شیخ حضرت حبیبؓ بن یساف/ اساف خزرجی یا حضرت خارجہ بن زید بن ابی زھیر خزرجیؓ کے گھر میں بہ اختلاف روایات واقدی وغیرہ سکونت و مہمانی کا موقعہ ملا تھا۔ واقدی/ ابن سعد کی ایک اور متفقہ روایات کے مطابق حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت خارجہ بن زید خزرجیؓ کے گھر میں نہ صرف اس عارضی قیام و سکونت میں اترے بلکہ بنوالحارث بن الخزرج کے محلہ سنح میں تاحیات نبویؐ سکونت پذیر رہے اور ان کی بیٹی سے بعد میں شادی کر لی اور وہ سلسلہ سکونت خاص مدینہ میں اقطاع نبویؐ کے ذریعہ خاص مکان مدینہ مل جانے کے بعد بھی جاری رہا۔ حضرت عامر بن فہیرہؓ کو قبا میں حضرت سعد

ابن خیثمہ اوسیؓ کے بیت الاعزاب میں جگہ ملی۔ روایات وواقعات کے تجزیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ اترے تو حضرت حبیبؓ بن یساف/اساف کے گھر میں تھے اور بعد میں حضرت خارجہؓ بن زید کی دختر سے شادی کرلی۔ ان تمام روایات واحادیث کی دلالت وشہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ مہاجرین مکہ کے قیام وطعام اور مہمان داری ومدارات کے لیے قرعہ اندازی سے ہی تصفیہ کیا جاتا تھا خواہ ایک ہی کاروان ہجرت کے ارکان رہے ہوں یا مختلف کاروانوں کے افراد یا ایک کاروان ہجرت کے تمام افراد کو ایک ہی گھر میں اتارا جاتا (ابن سعد، ۳/ ۹۲ - ۹۳، ۱۲۳، ابن اسحاق، ۲/ ۸۹ میں دونوں خزرجی میزبانوں کے ہاں قیام وسکونت کی روایات ہیں۔ اول الذکر والد کا نام اساف دیا، فتح الباری، ۷/ ۳۲۵)۔

خاتمہ بحث: مصادر سیرت، قرآن مجید، تفسیری روایات، حدیث نبوی اور شروح شارحین، کتب و تالیفات سیرت وغیرہ سے معلومات، حوادث، واقعات اور احوال وظروف کا جمع واخذ اور ان کی صحیح تفہیم و افہام اور آخر میں ان کی زبان وبیان اور تحریر ونگارش میں پیشکش مختلف مرحلوں سے گزرتی اور متعدد روایات وبیانات سے متاثر ہوتی اور صاحب تحقیق کے علم وفہم، فکر ونظر اور میلانات ورجحانات سے شرابور ہوتی بطور تالیف وکتاب سامنے آتی ہے۔ تالیف وترتیب اور تحقیق کے مختلف مراحل وطرق کی غلام گردشوں اور بھول بھلیوں کے چکروں سے بسا اوقات اصل صورت واقعہ اور حال وظرف حادثہ اپنی حقیقی صورت میں مرقوم نہیں ہو پاتے اور کسی نہ کسی روایت وحدیث کا جبر تاثر مرکزی نکتہ کو اوجھل کردیتا ہے۔ تمام جدید مولفین سیرت اور بیشتر محققین فن حدیث وسیرت سے بالعموم اور جدید اردو سیرت نگاری کے قابل احترام مولفین اور سرمایہ ناز محققین سے بالخصوص مہاجرین مکہ اور ان کے آقا ومولیٰ اور رسول کائناتؐ کے قبا اور مدینہ میں قیام وسکنیٰ اور منزل ومکان کے ایک اہم ترین باب سیرت میں یہ تسامح بیانی اور قصور تحقیق وتحریر سرزد ہوا کہ انھوں نے اس سماجی ومعاشرتی مشکل کا صحیح حل قرعہ اندازی قریب قریب نظر انداز کردیا۔ ان میں امام جدید اردو سیرت نگاری نے صرف ایک جگہ رواروی میں مدینہ منورہ میں رسول اللہؐ کے قیام اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان میں اس کے انتظام کے قرعہ ڈالنے کا صاف اظہار کیا ہے مگر پھر دوسری روایات سیرت خاص کر احادیث محدثین کے جبر کے تحت قرعہ اندازی کی واقعیت کا انکار ہی کردیا اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان میں آپؐ کے قیام وانتخاب کو آپؐ کا ''عمداً فیصلہ'' قرار

دے دیا تاکہ بنوالنجار سے اپنے ننہالی قرابت کی رعایت فرمائیں حالانکہ حضرت ابوایوب انصاریؓ آپؐ کے قریب ترین ننہالی عزیز نہ تھے بلکہ جدامجد عبدالمطلب ہاشمی کے اخوال (ننہالی بنوعدی بن النجار) کے راست عزیز دوسرے تھے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے بزرگ تر بطن بنوالنجار کے دوسرے خاندانوں کے اکابر وسادات کی مانند خاص اور راست اقارب بھی قیام ومدت نبوی کے شرف کے مدعی، طلبگار اور خواہاں تھے اور اس نجاری قرابت کے بہت سے مدعیوں کے درمیان بالآخر قرعہ اندازی کی گئی اور رسول اکرمؐ اس کے نتیجہ میں منزل ابی ایوب انصاری (بنوعدی بن النجار کے برخلاف بنومالک بن النجار کے ایک ذیلی خاندان بنوغنم بن مالک بن النجار) میں اترے اور مہمان رہے۔ اس سلسلہ میں ایک سوال اٹھتا ہے کہ آپؐ اگر بنوالنجار کی قرابت داری کی رعایت اور ان کے اکرام واجلال کے بالا رادہ قصد وذاتی فیصلہ کے حق میں ہوتے تو باری باری ان تمام خاندانوں کے اکابر وسادات کے منازل میں قیام فرماکر سب کے عزیزانہ حقوق کی پاسداری کیوں نہ کرسکے؟ یہ ہر حال میں ہوسکتا تھا لیکن آپ نے قرعہ اندازی کی سنت الانبیاء، طریقت عرب معاشرت اور اپنی سنت متواترہ سے صرف منزل ابی ایوب انصاریؓ کے زیریں خانہ میں مستقل مقیم رہنے کے فیصلہ کو قبول کرکے اسے سب پر ترجیح دینے کا اعلان فرمادیا۔

دوسرے اہم ترین اردو جدید سیرت نگار قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے خاص مدینہ منورہ میں تمام مہاجرین مکہ کے قیام ومدارات کے خواہاں تمام انصاری سادات وعوام کے درمیان قرعہ اندازی کے ذریعہ ہر ایک مہاجر کے کسی نہ کسی انصاری کے گھر میں قیام ومہمانداری کا ذکر کرکے اسے توسیع دی ہے لیکن یہ صرف عمومی بیان ہے، انہوں نے عام بیانیہ سیرت میں کسی خاص مہاجر حتی کہ سید المہاجرین کے قرعہ اندازی کے ذریعہ متعین ہونے والے مکان ومنزل وسکنیٰ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ ممکن ہے کہ اور کسی صحابی مہاجر کے کسی خاص انصاری میزبان کے گھر میں قیام کے لیے قرعہ اندازی کا ذکر کیا ہو۔ مدینہ اور قبا میں رسول اکرمؐ کے قیام ومقام خاص کر حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان میں قرعہ اندازی کے نتیجہ میں قیام کا عدم ذکر اس بیان کا نقص عظیم ہے۔

تیسرے مولف سیرت شمار کیے جانے والے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے حافظ ابن حجر کی الاصابہ میں امام احمد بن حنبل کی مسند کی روایت حضرت ابوایوب انصاریؓ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ”جھگڑے کی صورت میں قرعہ ڈالا گیا اور میرا نام نکلا“ مگر مولانا موصوف نے اسے اپنی بحث سے

خلط ملط کر کے یہ بیان دیا کہ آپ اپنے ارادے وقصد سے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر اترے تھے اور بعد میں دوسرے انصار کے اصرار پر قرعہ اندازی کی گئی اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کا نام نکل آیا۔ان کی ساری بحث قرعہ اندازی کی نفی کرتی ہے اور اسے بعد کا شاخسانہ یعنی قیام گاہ کے طے ہونے کے بعد کا واقعہ قرار دیتی ہے جو صورت معکوس ہے۔اس کے علاوہ قرعہ اندازی کی اہم ترین احادیث بخاری سے ان کا صرف نظر خاصا مایوس کن ہے جیسا کہ دوسروں کا خاص کر بعد کے مولفین کرام کا ہے۔

ان میں عام وخاص مولفین سیرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا عبدالرؤف دانا پوری، حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی اور متعدد دوسروں کا قرعہ اندازی سے خالص صرف نظر اور کورانہ عدم ذکر ملتا ہے۔ وہ سرے سے قرعہ اندازی کی احادیث وروایات سیرت کا ذکر و حوالہ کسی مقام کے تعلق سے نہیں دیتے۔ قبا میں قیام مہاجرین عام اور سید المہاجرین کے مکان حضرت کلثوم بن الہدم عمری واوسی اور بنوعوف کے مختلف مکانات میں قیام کا ذکر کرتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں رسول اکرمؐ کے منزل ابی ایوبؓ انصاری میں قیام کا فیصلہ ناقہ نبویؐ کے مربد/مسجد نبویؐ کے باب عالی کے سامنے بیٹھ جانے کا بتاتے ہیں۔ان میں خاص ومنفرد فکر وتوجیہ کے مالک مولانا محمد ادریس کاندھلوی ہیں جو امام سہیلی کی الروض الانف کے حوالے سے ایک دیومالائی/اساطیری روایت اور اس کی صوفیانہ شرح شیخ زین الدین مراغی کے نتیجہ میں ناقہ نبوی کے حضرت ابوایوبؓ انصاری کے سامنے جاکر بیٹھنے کو تبع کے تیار کردہ مکان، جس میں حضرت ابوایوبؓ انصاری صرف آپ کے انتظار میں سکونت پذیر تھے، کا نتیجہ قرار دیا ہے اور اسے افسانہ بنادیا ہے۔ حیرت ناک ہے کہ ان کو احادیث بخاری نہیں ملیں جب کہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ حدیث کی روایات کو اولین ترجیح دیتے ہیں مگر وہ بالعموم صحیح نہیں ہوتا۔ان کے اصل ماخذ زرقانی ہیں اور وہ متعدد موضوع، منکر اور ضعیف روایات کے اسیر ہیں۔اس خاص باب وجہت سیرت کے علاوہ بھی وہ صوفیانہ تشریحات وتاویلات سے بھی خاص شیفتگی رکھتے ہیں۔

سب سے زیادہ حیرت انگیز اور افسوس ناک طریقہ نگارش وتحقیق ان صاحبان سیرت کا ہے جو حدیث نبویؐ کے مصادر کی بنا پر تالیف سیرت کے مدعی ہیں اور ان میں سے بعض بعض تو ایسے پختہ اہل حدیث ہیں جو مصادر سیرت کے ناقدین شدید اور منکرین عظیم میں شامل ہیں۔مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری کا مکان حضرت ابوایوب انصاریؓ میں آپؐ کے قیام کو ناقہ نبوی کو عطا کردہ توفیق الٰہی کا

شاخسانہ قرار دینا اور صحیح بخاری کی حدیث انس بن مالکؓ سے صرف یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مکان سب سے قریب ہونے کے باعث قیام نبویؐ بنا تھا اور حیرت انگیز ہے۔ان کو بخاری کی احادیث حضرت ام العلاء انصاریہ: ۱۲۴۳ اور اس کے متعدد اطراف میں عام مہاجرین کے لیے قرعہ اندازی کے عمومی بیانات نظر آئے اور نہ رسول اکرمؐ کے منزل ابی ایوب انصاریؓ میں قیام نبویؐ کے خاص الخاص بیانات اور صحابی جلیل حضرت عثمان بن مظعون جمحیؓ کے مکانات/ بیوت ام العلاء میں قرعہ اندازی کے سبب قیام وسکونت کا واقعہ دکھائی دیا اور نہ ہی مسند احمد بن حنبل کی احادیث ملیں۔سب سے زیادہ قابل گرفت یہ تو ہے ہی اور اسی جیسا ان کا اپنے مسلکی وسیرتی امام قاضی منصور پوری کے بیان عام کو نظر انداز کر دینے کا ہے حالانکہ وہ قدم قدم پر ان کی تحقیقات وبیانات اور نتائج سے استفادہ ہی نہیں کرتے بلکہ اس کی تقلید شخصی اور اقتداء کورانہ تک کرتے ہیں۔امام/امیر جماعت مسلمین مسعود احمد کا رویہ، طریقہ اور بیان اس باب خاص میں صرف نظر، تسامح وسہو سے زیادہ خالص قصور تحقیق کا ہے۔ان کے اپنے ادعاء تالیفی کے مطابق ان کی سیرت نبویؐ قرآن مجید اور صحیحین کی صحیح ترین احادیث نبویؐ پر مبنی ہے اور کتب سیرت سے آلودہ نہیں ہے۔انہوں نے احادیث بخاری منقولہ حضرت ام العلاءؓ وغیرہ میں صاف بیان قرعہ اندازی انصار کا حوالہ تک نہیں دیا اور بنو النجار اور خاص منزل ابوایوب انصاریؓ میں قیام نبویؐ کو آپ کا اپنا ذاتی فیصلہ اور شخصی تدبر قرار دیا ہے اور اس سے قرابت اخوال کی رعایت بتائی ہے۔

اردو سیرت نگاروں اور محققوں کے عام طریقہ تحقیق وتالیف سیرت پر اس بحث نقد ونظر سے توجہ مبذول ہوتی ہے اور خاص مہاجرین مکہ اور سید المہاجرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبا اور مدینہ میں منازل انصار، اوس وخزرج میں ان کے قیام وسکونت کے بارے میں تحقیقی قصور نظر آتا ہے۔واقعہ یہ ہے کہ روایات سیرت اور احادیث بخاری ومسلم ومسند اور تاریخی شواہد کی دلالت وشہادت سے قبا اور مدینہ دونوں مقامات پر مہاجرین اور سید المہاجرینؐ کے منازل کا انتخاب قرعہ اندازی کی سنت کے ذریعہ ہوا تھا کہ وہی سب سے زیادہ اطمینان قلب کا باعث تھا۔دوسری تمام وجوہ، اسباب، توجیہات اور تاویلات اور ان کی روایات سب اسی کی تطبیقی صورتیں اور جہات ہیں۔

تاج العلماء
مولوی نجف علی خاں جھجری
(۱۸۱۵ء۔۱۸۸۲ء)

ڈاکٹر مفتی محمد مشتاق تجاروی

تاج العلماء مولوی سید نجف علی خاں جھجری اپنے وقت کے جید عالم، مفسر قرآن، ادیب، شاعر، مورخ، مترجم اور انشا پرداز تھے۔ عربی، فارسی، اردو، دری اور ایران کی قدیم زبانوں میں کامل دست گاہ رکھتے تھے۔ انہوں نے مختلف زبانوں اور مختلف علوم وفنون میں سو سے زائد کتابیں تصنیف کیں اور متعدد کتابوں کے منظوم ونثری ترجمے کیے۔ ان کی علمی قابلیت کے اعتراف میں ٹونک کے نواب محمد علی خاں نے ۱۷؍شعبان ۱۲۸۱ھ کو انہیں ''تاج العلماء'' اور ''قلزم العلوم'' کے خطابات سے سرفراز کیا تھا۔(۱)

مولوی سید نجف علی خاں جھجر کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد کا نام قاضی عظیم الدین اور دادا کا نام محتسب خیر الدین تھا (۲)۔ نجف علی خاں نے اپنی مختلف کتابوں میں اپنی وطنی نسبت اور اپنے باپ دادا کا ذکر کیا ہے۔ مثنوی نظم مناقب میں لکھتے ہیں۔(۳)

ناظم ایں سخن نجف است نامش از علی بہ اتمامش
قصبہ جھجر مسکن او از بتاوز بہ در نشیمن او

(اس کلام کا نظم کرنے والا نجف علی ہے۔ قصبہ جھجر اس کا آبائی وطن ہے)

منبہات ابن حجر کے ترجمہ میں لکھتے ہیں (۴)

از نیاکاں باش گاہم جھجر است خاک آں نزدم بہ از سیم وزر است

اسسٹنٹ پروفیسر ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی۔ E-mail:muftimushtak@gmail.com

(آباواجداد سے میراوطن جھجر ہے۔اس کی مٹی میرے لیے سونے وچاندی سے زیادہ قیمتی ہے)

نجف علی خان کی ولادت ۱۱ ؍رمضان المبارک ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۷؍اگست ۱۸۱۵ء میں جھجر (ضلع رہتک، ہریانہ) میں ہوئی (۵)۔دیوان پروین کے مقدمہ اوران کے خاندانی تذکرہ ائمۃ الہدی میں ان کی تعلیم وتربیت کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے دلی میں تعلیم حاصل کی (۶)۔لیکن ان کے اساتذہ کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی، البتہ تذکرہ علمائے ٹونک میں ان کے اساتذہ کے بارے میں مذکور ہے کہ:

قاضی خاں، ملا خان محمد اور عبدالکریم خاں بہادر ہراتی، جو عبدالکریم تاجر کے نام سے مشہور اور جملہ علوم وفنون میں دست گاہ کامل رکھتے تھے، ان سب حضرات سے مطول بلاغت میں، ہدایہ فقہ میں، دیوان متنبی، حماسہ اور مقامات حریری ادب میں، شرح مقاصد، صدرا منطق میں، توضیح وتلویح اصول میں اور کتب دیگر فنون پڑھیں۔ قاضی حمداللہ، اقلیدس اور خلاصۃ الحساب وغیرہ مولوی کرامت علی صاحب سے پڑھیں۔(۷)

مولوی نجف علی خان کے بارے میں ایک بات یہ مشہور ہوگئی ہے کہ وہ شاہ رفیع الدین کے شاگرد تھے اور شاہ رفیع الدین کا ترجمہ قرآن اور تفسیر رفیعی دراصل شاہ صاحب کے وہ درس تھے، جن کو نجف علی خان نے لکھ لیا تھا۔ بعد میں شاہ صاحب کی نظر ثانی کے بعد یہ شائع ہوئے (۸)۔لیکن یہ درست نہیں ہے۔ناموں کے التباس کی وجہ سے یہ غلط فہمی ہوگئی۔ترجمہ وتفسیر رفیعی کی ترتیب وتصنیف میں بھی ایک نام نجف علی ہے،لیکن وہ میر نجف علی خاں المعروف بہ فوجدار خاں ہیں، نجف علی خاں جھجری نہیں ہیں۔فوج دار خاں کے بیٹے کا نام میر عبدالرزاق ہے۔"تفسیر رفیعی" پر مقدمہ میں انھی میر عبدالرزاق نے مقدمہ لکھا اس میں اس بات کی وضاحت موجود ہے (۹)۔غالباً یہ وہی نجف علی خاں ہیں جن کی حویلی کا تذکرہ مرزا سنگین بیگ نے سیر المنازل، ص ۲۸ میں میر نجف علی خاں فوج دار شاہی کے عنوان سے کیا ہے۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد نجف علی خاں نے اپنے آبائی پیشہ یعنی مسند قضا کو اختیار کیا (۱۰)۔اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔جھجر کی سرزمین شاید ان کے پرواز تخیل کی وسعت کے لیے تنگ تھی، اس لیے انھوں نے قاضی کا عہدہ اپنے چچازاد بھائی کے حوالے کیا اور خود نئے آسمان وزمین

کی تلاش میں وطن سے نکل کھڑے ہوئے۔انہوں نے پہلی ملازمت انگریزی سرکار میں کی۔غالباً منشی کی حیثیت سے ان کا تقرر رہوا۔دیوان پروین میں ہے کہ وہ نیمچہ میں ایجنٹی کے میر منشی تھے۔(۱۱)

انگریزی سرکار کی ملازمت کے دوران انہوں نے پہلا علمی کام یہ کیا کہ انگریزی فوج میں بھرتی ہونے کے قوانین کا اردو اور ہندی ترجمہ کرنے میں اپنے انگریز افسر کی مدد کی۔ایک انگریز افسر مسٹر اے ہوگ (A.Hogg) کو سرکار نے مقرر کیا تھا کہ وہ فوج میں بھرتی ہونے کے ان اصول وقوانین کا ترجمہ کریں۔انہوں نے نجف علی کی مدد سے یہ کام کیا تھا، جو کلکتہ سے ۱۸۳۷ء میں دونوں زبانوں میں شائع ہوا، یعنی ۲۲ سال کی عمر میں نجف علی خاں کی یہ پہلی کتاب شائع ہوئی۔اس کا ایک مطبوعہ نسخہ ٹونک میں موجود ہے، جس میں مسٹر ہوگ اور نجف علی دونوں کے نام بحیثیت مترجم درج ہیں۔(۱۲)

انگریزی سرکار کی ملازمت کرتے ہوئے نجف علی خاں کی زندگی کا دوسرا اہم کارنامہ پنجاب کے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں انگریزی سرکار کی کام یاب سفارت ہے۔اس سفارت کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۸۴۴ء میں انگریزی فوج جنرل شاور کی قیادت میں پنجاب سے ہوتے ہوئے کابل جارہی تھی۔ جب یہ فوج پنجاب پہنچی تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اسے اپنے علاقے سے گزرنے کی اجازت نہیں دی۔ نجف علی خاں اس زمانے میں وائسرائے اور گورنر جنرل کے میر منشی تھے اور اس فوج کے ہم راہ تھے۔ انگریز افسر نے ان کو سفیر بنا کر مہاراجہ کی خدمت میں بھیجا۔انہوں مہاراجہ سے بات چیت کر کے فوج کو گزرنے کی اجازت حاصل کرلی۔اس کام یاب سفارت کاری کے صلہ میں انگریزوں نے نجف علی خاں کو "خان بہادر" کا خطاب دیا۔(۱۳)

نجف علی خاں نے اس کے بعد انگریزی ملازمت ترک کردی اور مختلف دیسی ریاستوں میں ملازمت کی۔انگریزی ملازمت غالباً ۱۸۴۵ء میں ترک کی تھی۔اس کی وجوہ تو معلوم نہیں، لیکن اس کے بعد وہ الور میں مہاراجہ بنے سنگھ کے دربار سے وابستہ ہوگئے تھے اور واقعہ یہ ہے کہ ان کی شخصیت کے جوہر دراصل ان کے قیام الور کے دوران ہی کھلے۔یہاں ان کو بڑے مناصب ملے۔انہوں نے یہاں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔شہر الور کے مفتی بھی رہے۔راج کمار شیودان سنگھ کے اتالیق بھی رہے۔مہاراجہ بنے سنگھ بڑے علم دوست اور علما نواز حکمراں تھے۔وہ نجف علی خان کی علمی شخصیت کے فیض وفروغ کا سبب بن گئے اور ان سے درسی وغیر درسی متعدد کتابیں تصنیف کروائیں۔

ٹی ایس ایلیٹ سے نجف علی کے تعلقات انگریزی ملازمت کے دوران ہو گئے تھے۔ الور کے قیام کے دوران ایلیٹ نے ان سے دو کتابیں مرتب کروائی تھیں۔ ایک آئین اکبری کی شرح اور دوسری رسالہ المناصب۔ یہ دونوں کتابیں دستیاب ہیں اور ایلیٹ کے نام نجف علی خاں کا خط بھی برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔(۱۴)

الور میں نجف علی خاں تقریباً ۱۱/سال مقیم رہے۔ یہاں کے ایک قصبہ تجارہ میں بھی ان کا آنا جانا بہت رہا۔ الور اور تجارہ ان کی شخصیت کی ایسی پہچان بن گئے کہ لوگ ان کو الور اور تجارہ کا ہی باشندہ سمجھنے لگے۔ چنانچہ بعض تذکرہ نگاروں نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ الور و تجارہ کے علماء میں سے تھے۔(۱۵)

۱۸۵۷ء میں نجف علی خاں کلکتہ چلے گئے اور نواب ناظم والی مرشد آباد کے ملازم ہو گئے۔ وہ نواب ناظم کے استاد بھی رہے اور عدالت عالیہ کے جج اور داروغہ بیوتات رہے۔ مرشد آباد میں انہوں نے کئی کتابیں لکھیں، جن میں تاریخ مرشد آباد بھی شامل ہے۔ عبدالغفور نساخ نے بردوان اور بیر بھوم وغیرہ علاقوں میں مولوی نجف علی سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے:

''سر آمد علمائے زماں مولوی نجف علی خاں صاحب متخلص بہ خستہ باشندہ جھجر سے (ضلع راج شاہی میں) ملاقات ہوئی ان کو زبان عربی و فارسی میں ایسا دخل تھا کہ شاید ہند میں اور کسی کو نہ تھا۔ ان کی تصنیفات میں سینکڑوں کتابیں ہیں۔ ان میں مقامات حریری کی بے نقط شرح اور شرح دساتیر موسوم بہ سفرنگ دساتیر ہے''۔(۱۶)

نساخ نے اس کتاب میں اور بھی ملاقاتوں کا حال لکھا ہے۔ مرشد آباد سے ملازمت ترک کرنے کے بعد وہ بھوپال میں عدالت دیوانی کے مہتمم مقرر ہوئے۔ نواب علی حسن خاں سلیم کے اندراج سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۸۹۰ء تک وہ بھوپال میں رہے۔ اس کے بعد وہاں سے استعفیٰ دے کر کسی اور ریاست میں چلے گئے۔ ۱۲۹۵ھ میں وہ جے پور میں ملازم تھے۔(۱۷)

نجف علی خاں نے شاہ آباد (پنجاب) اور جموں و کشمیر میں بھی ملازمت کی۔ شاہ آباد میں وہ تحصیل دار رہے اور جموں و کشمیر میں مجسٹریٹ درجہ اول اور جودھ پور میں فوج دار بھی رہے۔ تفسیر غریب القران انہوں نے اپنے جودھ پور کے دوران قیام ہی لکھی تھی۔(۱۸)

نواب علی حسن خاں سلیم نے ان کی علمیت اور فضل و کمال کے اعتراف کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے مزاج میں کسی قدر بے چینی (خفقان) تھی، اس لیے جاہ و منصب کی ترقی کے لیے ایک ریاست سے دوسری ریاست میں دوڑتے پھرتے تھے۔(۱۹)

آخر میں مولوی نجف علی خاں ریاست ٹونک سے وابستہ ہوئے۔ٹونک میں پہلے وہ نواب وزیر محمد خاں کے ملازم رہے اور ان کے انتقال کے بعد نواب محمد علی خاں کے دربار سے وابستہ رہے۔ نواب محمد علی خاں معزول ہو کر بنارس گئے تو مولوی نجف علی خاں بھی ان کے ہم راہ بنارس چلے گئے۔(۲۰)

ٹونک میں جب نواب ابراہیم خاں کا دور آیا تو انہوں نے مولوی نجف علی خاں کو بنارس سے ٹونک بلا لیا(۲۱)۔ وہ ٹونک آئے تو لیکن یہ بلاوا ان کے لیے پیام رحیل ثابت ہوا۔ کچھ عرصہ بعد ہی ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۲ء میں ان کا انتقال ہو گیا اور ٹونک کے قبرستان موتی باغ (حصہ عوام) میں ان کی تدفین ہوئی(۲۲)۔عبدالغفور نساخ نے قطعہ تاریخ وفات کہا:

خستہ گو ذہن مجسم بودہ سخنش سحر و فنون و جادو
مرد و نساخ سنہ ترحیلش زد رقم منزل خستہ مینو
۱۲۹۹

مولوی صاحب کو خود بھی اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا احساس تھا، ایک شعر میں کہتے ہیں:

سروراں را ہمیں مشیر بدم چوں عطارد گزیں دبیر بدم

اور بھی ایسے اشعار ہیں:

در فصاحت توانشی دارم در بلاغت گزیدہ گفتارم
علم تفسیر تابش جانم نور افروز یابش جانم
از حدیثم حدیثہا خوانند در چنیں فن گزیدہ ام دانند
از الٰہی فروغ دل پیدا مایہ نور آب و گل پیدا
بر سرود خرد بیاد من است مبداء فیاض استاد من است
فکر من ہر نہاں عیاں کردہ ناشنیدہ سخن بیاں کردہ
نطق من گہہ ز قدس راز کشا گاہ از انس گشتہ نغمہ سرا

تیرہ جانے کہ چشم او کور است خود نہ بیند مرا کہ معذور است

مولوی نجف علی کی یہ خودستائی شاعرانہ تعلّی نہیں ہے۔ مختلف علوم وفنون میں ان کی تصنیفات اس پر شاہد ہیں۔ معاصرین نے بھی ان کی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے۔ عبدالغفور نساخ نے تذکرہ معاصرین میں لکھا ہے:

''خستہ و ملہی تخلص مولوی نجف علی خاں بن قاضی عظیم الدین، قاضی قصبہ جھجر نواب ناظم بہادر اور مہاراجہ الور کے استاد ہیں، بے مثال ادیب محقق، عربی اور دری کے ماہر ہیں''۔(۲۳)

گارساں دتاسی نے لکھا ہے:

''....اور مولوی نجف علی مولف شرح مقامات حریری ان میں سے ہر ایک نے طب، ادب یا شاعری کے شعبہ میں سینکڑوں ممتاز شاگرد پیدا کیے، جواب تک موجود ہیں''۔(۲۴)

نواب علی حسن خاں سلیم نے لکھا ہے:

''مولوی نجف علی خاں الورتجارہ کے اہل علم وفضل سے تعلق رکھتے ہیں، جو شاہ جہاں آباد کے مضافات میں سے ہے۔ علوم عربیہ وفارسیہ اور عربی وفارسی نظم ونثر میں اعلی درجہ کی استعداد کے حامل ہیں۔ اپنے بے نظیر حافظہ اور جودت طبع کی وجہ سے اپنے بیش تر معاصرین پر فائق ہیں۔ کلام اپنی آب وتاب میں گویا در نجف ہے۔ عربی وفارسی کی عبارتوں کو مختلف صنائع وبدائع میں بے تکلف وتامل لکھتے ہیں۔ مختلف فنون میں ان کی متعدد کتابیں ہیں۔ ایک تفسیر کی اور ایک تاریخ کی عجیب وغریب کتاب انھوں نے لکھی ہے۔ شرح مقامات حریری صنعت اہمال (یعنی بغیر نقطہ کے) میں اور شرح دساتیر دری زبان میں خوب لکھی ہے۔ تورات کا منظوم ترجمہ بڑی سلاست اور لطافت سے کیا ہے''۔(۲۵)

حکیم عبدالحئی حسنی نے لکھا ہے:

''شیخ فاضل علامہ نجف علی بن عظیم الدین جھجری ذہین اور مشہور لوگوں میں

سے ایک تھے (أحد مشاهير الأذكياء)۔ ان کو لغت، انشاء، شعر اور تمام ادبی علم میں کامل دست گاہ حاصل تھی"۔ (۲۶)

نساخ کی کتاب مرغوب دل پر نجف علی خاں نے ۴ صفحات کی تقریظ لکھی ہے۔ اس کے عنوان پر نساخ نے لکھا ہے:

"تقریظے کہ اعلم علماء زماں و ابلغ بلغائے دوران مخدومی و مکرمی جناب مولوی محمد نجف علی خاں صاحب...."۔ (۲۷)

مرزا غالب لکھتے ہیں:

"ایک مولوی نجف علی ہیں باوجود فضیلت علم عربی و فارسی دانی میں ان کا کوئی نظیر نہیں"۔ (۲۸)

سفرنگ دساتیر کی تقریظ میں مرزا غالب نے لکھا ہے:

"جاماسپ مایہ، ساسان نمایہ، آزر کیوان پایہ، مولوی نجف علی خاں، ہمایوں خوی، ہما سایہ بہ آں کہ روان گویا بہ پیکرش پیش ازاں نازد کہ پیکر ہائے دیگرے بہ رواں گویا"۔ (۲۹)

دری کشا کی تقریظ میں مرزا غالب نے لکھا ہے:

"ریختہ کلک گوہر بار، فرزانہ باہوش و دانش، یگانہ، فلاطوں پایہ، ارسطو سرمایہ، علم بے بدل، فاضل بے مثل، ناظم یکتا، ناثر بے ہمتا، نظیری نظر، ظہوری ظہور، آسمان سخن را ماہ نیم ماہو جہان معنی را آفتاب نیم روز مولوی سید نجف علی خاں"۔ (۳۰)

مولوی رحمان علی نے لکھا ہے:

"....اپنے زمانے کے نامی فاضل تھے.... ہم عصروں میں ممتاز تھے، نہایت ذہین تھے اور طبیعت شاعرانہ تھی، تصانیف کثیرہ کے مصنف تھے.... ۱۲۹۹ھ میں انتقال ہوا"۔ (۳۱)

مولوی نجف علی خاں کے ایک شاگرد مولوی سید قطب الدین ٹونک کے رہنے والے تھے۔ جے پور میں ملازم تھے۔ انہوں نے ان کی علمی صلاحیت اور قابلیت کے بیان کے ساتھ ساتھ ان کی

ترجمہ نگاری اور زود نویسی کی صلاحیت پر بھی اظہار خیال کرتے ہوئے محمد علیم الدین ساکن سہنہ کو بتایا کہ:

> ”جس زمانے میں مولوی نجف علی تاریخ الخمیس کا فارسی میں ترجمہ کر رہے تھے، اس وقت میں ان کے ساتھ تھا۔ ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ میں عربی عبارت پڑھتا تھا اور وہ فارسی میں اس کا ترجمہ کرتے جاتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی جملے کو دوبارہ پڑھنے کے لیے کہا ہو، یا تیز پڑھنے سے منع کیا ہو۔ جتنے صفحہ ترجمہ کا اوسط تھا میں اتنے پڑھ دیتا اور جس وقت میں پڑھ کر فارغ ہوتا اسی وقت استاد بھی ترجمہ سے فارغ ہوجاتے“۔(۳۲)

تصنیفات: نساخ نے مولوی نجف علی خاں کی تصنیفات کی تعداد ۱۰۰ بتائی ہے، اپنی خودنوشت میں تو سینکڑوں لکھا ہے(۳۳)۔ رحمان علی نے بھی ان کی متعدد کتابوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ”ان کے علاوہ مختلف زبانوں میں پچاس رسالے تصنیف کیے“(۳۴)۔ دیوان پروین کے مقدمے میں ان کی تصانیف کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ”علامہ مرحوم کی کل تصانیف بقول ان کے اور ان کے صاحب زادے یعنی نانا صاحب مرحوم (غضنفر علی خاں) کے ڈیڑھ سو کے قریب ہیں۔ مولانا مرحوم کی بہت سی کتابیں تلف ہوگئیں، اس پر بھی ان میں سے کم از کم سو کتابیں مصنفہ صاحبہ دیوان ہذا کے بھائیوں کے پاس دیکھیں۔ اب بھی مخدومہ کے بھائیوں کے پاس پندرہ بیس کتابیں مطبوعہ اور پچاس یا ساٹھ غیر مطبوعہ موجود ہیں“۔(۳۵)

سید حسین عارف نقوی نے تذکرہ علمائے امامیہ میں نجف علی اور ان کی آل و اولاد، جو سب صاحب تصانیف ہیں، سب کو شیعہ لکھا ہے اور ان کی کچھ کتابوں کی فہرست بھی دی ہے۔ ان میں کچھ ایسی کتابوں کا نام بھی ہے جو معروف تذکروں میں نہیں ہیں، جیسے اسنی المطالب وغیرہ لیکن ان کا ذکر نہ کسی معتبر کتاب میں ملا نہ ہی ٹونک میں یا ان کے خاندانی ذخیرہ واقع جے پور میں، اس لیے ان کو چھوڑ دیا ہے۔(۳۶)

مختلف تذکروں کے ان اندراجات سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ نجف علی خاں کی کتابوں کی تعداد یقیناً سو سے زیادہ رہی ہوگی، جن میں سے خاصی تعداد میں کتابیں اب بھی مخطوطہ یا مطبوعہ شکل

میں موجود ہیں۔

نجف علی خاں نے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، ادب، معانی، بیان، بدیع، لغت، زبان، مذاہب عالم، عقائد، تاریخ، طبیعیات، ہیئت اور ریاضیات وغیرہ تمام موضوعات پر نظم ونثر میں جو کتابیں یادگار چھوڑیں ان میں سے حسب ذیل تصنیفات کے نام راقم الحروف کو مختلف تذکروں میں دستیاب ہوئے۔ ان کو حروف تہجی کی ترتیب سے ذیل میں لکھا جارہا ہے:

۱۔ انشاء خرد کشا (فارسی)۔ ۲۔ ایضاح البیان۔ ۳۔ ارمغان محمدی۔ ۴۔ بدیع البدائع۔ ۵۔ برہان صدیقی۔ ۶۔ تاریخ غدر ہندستان (فارسی)۔ ۷۔ تاریخ عجیب۔ ۸۔ تاریخ مرشد آباد۔ ۹۔ تاریخ محسنی۔ ۱۰۔ تاریخ ہفت پیکر۔ ۱۱۔ تحفۃ العراقین (فارسی)۔ ۱۲۔ تذکرہ شق القمر۔ ۱۳۔ ترجمہ امیر نامہ۔ ۱۴۔ ترجمہ تاریخ الخمیس (فارسی)۔ ۱۵۔ ترجمہ صراط مستقیم (شاہ اسماعیل شہید کی مشہور کتاب کا اردو ترجمہ)۔ ۱۶۔ ترجمہ انجیل مقدس (منظوم فارسی)۔ ۱۷۔ ترجمہ توراۃ مقدس (منظوم فارسی)۔ ۱۸۔ تسہیل الصرف۔ ۱۹۔ تلخیص النحو۔ ۲۰۔ تفسیر غرائب (فارسی)۔ ۲۱۔ تکملہ صولت فاروقی (فارسی منظوم)۔

تکملہ صولت فاروقی ضخیم کتاب ہے۔ اس کے بعض حصوں کا منظوم ترجمہ مولوی نجف علی خاں نے کیا ہے۔ کتاب میں ان کے اشعار کی تعداد پچاس ہزار ہے۔

الف: کتاب الردۃ۔ ب: فتوح العراق۔ ج: فتوح الشام۔ ۲۲۔ توضیح المعانی۔ ۲۳۔ حاشیۂ مطول (عربی)۔ ۲۴۔ حاشیہ ہدایہ (عربی)۔ ۲۵۔ خلاصۃ الافکار۔ ۲۶۔ دافع ہذیان۔ ۲۷۔ درۃ التاج، ترجمہ منبہات ابن حجر (منظوم فارسی)۔ ۲۸۔ دیوان فارسی۔ ۲۹۔ دری کشا، الموسوم وزیر نامہ دری۔ ۳۰۔ رسالہ ترکی نامہ۔ ۳۱۔ رسالہ تشریح الحساب۔ ۳۲۔ رسالہ دانش افزا۔ ۳۳۔ رسالہ اخلاق، سیاست وقیافہ۔ ۳۴۔ رسالۃ المناصب (فارسی)۔ ۳۵۔ رسالہ ہدایت عامہ درفضائل نبی کریمؐ (فارسی)۔ ۳۶۔ ریاض البیان۔ ۳۷۔ زبدۃ الغرائب (فن مسمرزم کی کتاب ہے)۔ ۳۸۔ سحر الکلام، شرح مقامات حریری، غیر منقوط۔ ۳۹۔ سفرنگ دساتیر۔ ۴۰۔ شرح مقامات مسمی نمیری۔ ۴۱۔ شرح برشرح چغمنی۔ ۴۲۔ شرح قصائد خاقانی۔ ۴۳۔ شرح قصیدہ بردہ (عربی)۔ ۴۴۔ شرح قصیدہ بردہ (فارسی)۔ ۴۵۔ شرح قصیدہ بردہ (اردو)۔ ۴۶۔ شرح قصیدہ غوثیہ (اردو)۔ ۴۷۔ کافل الاسعاد

بشرح بانت سعاد (فارسی)۔ ۴۸۔شرح بانت سعاد (عربی)۔ ۴۹۔شرح بانت سعاد (اردو)۔ ۵۰۔شرف مرتضوی۔ ۵۱۔شرح حدائق السحر رشید الدین وطواط۔ ۵۲۔شرح قصیدہ امالی (عربی)۔ ۵۳۔شرح قصیدہ امالی (فارسی)۔ ۵۴۔شرح قصیدہ امالی (اردو)۔ ۵۵۔شرح دیوان متنبی۔ ۵۶۔شرح دیوان حماسہ۔ ۵۷۔شرح آئین اکبری (فارسی)۔ ۵۸۔شرح تعزیرات ہند۔ ۵۹۔شرح نل ودمن فیضی (فارسی)۔ ۶۰۔شرح ہدایہ۔ ۶۱۔شرح رسالہ دست افشار۔ ۶۲۔فرہنگ وزیر خانی۔ ۶۳۔فہرست مخطوطات الور۔ ۶۴۔فیض القدس (عربی درسی)۔ ۶۵۔قصہ ہیر رانجھا (فارسی منظوم)۔ ۶۶۔قصیدہ اردو (خمریہ)۔ ۶۷۔لب الالباب۔ ۶۸۔لطائف عجیبہ۔ ۶۹۔لشکری قواعد انگریزی کا اردو ترجمہ۔ ۷۰۔مثنوی ہفت پیکار۔ ۷۱۔مثنوی درتہنیت انجمن شادی۔ ۷۲۔مثنوی نظم مناقب (منظوم فارسی)۔ ۷۳۔وزیر نامہ (تاریخ وزیر خانی کا منظوم ترجمہ)۔ ۷۴۔ہدیہ محمدیہ (فارسی،اردو)۔ ۷۵۔ہمایوں برسرود (قواعد دری)۔

مندرجہ بالا تصنیفات میں سے جس کے متعلق راقم کو کوئی اطلاع ملی یا کوئی نسخہ دستیاب ہوسکا، اس کے ضروری کوائف درج ذیل ہیں:

۱۔ارمغان محمدی: یہ قصیدہ بردہ کی شرح ہے۔یہ شرح مصنف نے عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں لکھی تھی۔اس کا مخطوطہ مولانا آزاد عربک پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٹونک میں محفوظ ہے۔

۲۔انگریزی لشکری قواعد کا اردو ترجمہ: شاہد جمالی کے بقول یہ نجف علی خاں کی پہلی کتاب ہے۔ یہ تصنیف نہیں، ترجمہ ہے، جو انہوں نے انگریز افسر مسٹر اے ہوگ کے ساتھ مل کر کیا تھا۔یہ کتاب ۱۸۳۷ء میں شائع ہوئی ہے۔اس کا ایک مطبوعہ نسخہ مولانا آزاد عربک پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٹونک میں موجود ہے۔

۳۔تذکرہ شق القمر: یہ القمر مکتبہ حسینیہ بنارس سے ۱۸۷۷ میں شائع ہوئی۔(۳۷)

۴۔ترجمہ انجیل مقدس: انجیل متی کا منظوم ترجمہ ہے۔تذکرہ علمائے ٹونک کے مطابق یہ بھی مطبوعہ ہے۔(۳۸)

۵۔ترجمہ توراۃ: نواب محمد علی خاں کے حکم پر نجف علی خاں نے توراۃ کا یہ منظوم فارسی ترجمہ اس عربی ترجمہ سے کیا تھا جو لندن سے شائع ہوا تھا:

ز توراۃ موسیٰ مقدس کتاب بنظم آرم ایں نامہ فصل الخطاب
ہماں نامہ کاں شد بہ تازی زباں مترجم بہ لندن بہ پیشیں زماں

شروع میں ملکہ برطانیہ، ولیم میور اور دیگر انگریز افسروں کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے۔
کتاب اس شعر سے شروع ہوتی ہے:

سپاس خدا وند گیتی نما براہ ہمہ راستی رہنما(۳۹)

تذکرہ علمائے ٹونک میں لکھا ہے کہ اس کتاب کے دو مخطوطے ٹونک کے کتب خانے میں موجود ہیں جن میں سے ایک کی کتابت ۳؍جمادی الاول ۱۲۸۹ھ میں ہوئی تھی۔ اس میں افتخار التواریخ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ کتاب اور انجیل متی کا ترجمہ جس کا اوپر ذکر ہوا یہ دونوں ٹونک سے شائع ہو چکے ہیں۔(۴۰)

۶۔ترجمہ صراط مستقیم: شاہ اسماعیل شہید دہلوی نے فارسی میں ایک کتاب صراط مستقیم کے نام سے لکھی تھی پھر جب وہ حج کے لیے تشریف لے گئے تو خود ہی اس کا عربی میں ترجمہ کیا۔نواب محمد علی خاں نے اس کا اردو ترجمہ کروایا۔(۴۱)

۷۔تفسیر غریب: اس نام سے خاں صاحب نے ایک ضخیم تفسیر لکھی تھی۔ یہ تفسیر جودھ پور کے دوران قیام مکمل ہوئی، جیسا کہ اس کے نسخہ جے پور میں ترقیمہ میں لکھا ہے۔ دو ہزار اوراق پر مشتمل اس تفسیر کے متعدد قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ایک ناقص الآخر نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ذخیرہ حبیب گنج میں ہے۔ اسی سے راقم الحروف نے استفادہ کیا ہے۔ ایک مکمل نسخے کا تذکرہ احمد منزوی نے کیا ہے۔(۴۲) اس کا ایک نسخہ جے پور میں ہے جس کا تذکرہ شاہد احمد جمالی نے کیا ہے۔(۴۳)

اس میں مصنف نے کلام پاک کے وجوہ اعجاز، معانی، بیان اور نحوی صرفی تراکیب پر زور دیا ہے۔ مقدمہ میں خود مصنف نے صراحت کی ہے:

از نکات ولطائف بلاغت آنچہ دریں تفسیر محمول و مودع است در دیگر تفاسیر مروجہ نمی تواں یافت''۔(۴۴)	بلاغت کے جو نکات اور لطائف اس تفسیر میں موجود ہیں کسی دوسری مروجہ تفسیر میں موجود نہیں۔

شروع میں بڑی تقطیع کے چار صفحات پر مشتمل ایک قصیدہ ہے، جس میں حمد باری، نعت رسولؐ، صحابہ کرام کی منقبت اور قرآن کے خصائص کا بیان ہے۔ پھر اصل تفسیر شروع ہوتی ہے۔ ذخیرہ حبیب گنج کا نسخہ ۱۰۵۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں قرآن مجید کے چار پاروں کی تفسیر ہے۔

۸۔ تکملہ صولت فاروقی: نواب آصف الدولہ کے عہد میں مرزا محمد خاں آشوب ترکمانی نے شاہ نامہ کے طرز پر واقدی کی مشہور کتاب فتوح الشام کا منظوم ترجمہ شروع کیا تھا۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ ترجمہ مکمل ہوا تھا یا نہیں لیکن حادثہ نادر شاہی میں اس کے بیش تر اجزا ضائع ہو گئے۔ اتفاقاً ایک حصہ نواب محمد علی خاں کو مل گیا۔ نواب موصوف نے مولوی نجف علی خاں، مولانا عبدالکریم عسکری، سلطان محمود خاں گرامی، مفتی نورالحسن خستہ اور مولوی محمد حسن خاں ملیح آبادی سے اس کی تکمیل کروائی۔ مولوی نجف علی خاں نے اس میں بحر متقارب میں پچاس ہزار اشعار کہے۔ مولانا آزاد عربک پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٹونک میں اس کا ایک مکمل مخطوطہ موجود ہے۔

۹۔ توضیح المعانی: یہ کتاب فن معانی و بلاغت میں ہے۔ ٹونک میں اس کے دو مخطوطے ہیں: ایک بخط مصنف ہے۔ اس کے سرورق پر یہ عبارت لکھی ہے:

> "الحمدللہ کہ این رسالہ در فن بلاغت مسمی بتوضیح المعانی بنام نامی واسم سامی بندگان فیض نشان حضور فیض معمور سری مہاراؤ راجہ سوائی بنے سنگھ بہادر والی ریاست الورو تجارہ"۔

۱۰۔ دافع ہذیان: مرزا غالب کی کتاب قاطع برہان کے رد میں سعادت علی خاں نے محرق برہان لکھی۔ جس کے جواب میں متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ مولوی نجف علی خاں نے بھی دافع ہذیان کے نام سے ایک کتاب لکھی جو ۱۲۸۱ھ میں اکمل المطابع دہلی سے میر فخر الدین کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ اس میں مرزا غالب پر کیے گئے کچھ اعتراضات کا سرسری جائزہ ہے۔ آخر میں منشی اموجان دیوان راؤ راجہ بنے سنگھ والی الور کے بھتیجے اور مرزا غالب کے شاگرد تفضل حسین خاں کوکب کی تقریظ ہے۔

۱۱۔ درۃ التاج: یہ حافظ ابن حجر عسقلانی سے منسوب منبہات ابن حجر کا منظوم فارسی ترجمہ ہے۔ یہ کتاب مکتبہ حسینیہ سے شائع ہوئی۔ ۳۲۰ صفحات ہیں۔ سنہ اشاعت مذکور نہیں ہے۔ مصنف نے صراحت کی ہے کہ وہ اس کی تسوید سے ۲۰ رمضان المبارک ۱۲۹۵ھ مطابق ۹ رستمبر ۱۸۷۸ء میں

فارغ ہوئے۔ مطبوعہ نسخہ کے آخر میں نواب محمد علی خاں والی ٹونک کی مدح میں ایک قصیدہ اور مختصراً اپنے احوال وکوائف بیان کیے ہیں اور ان علوم وفنون کا بھی تذکرہ کیا ہے جن میں انہوں نے تصنیفی کام کیا۔ اس سلسلے کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

در بلاغت بس گزیدہ نامہا　　کردہ ام از فکر زیب جامہ ہا
بس شروح نامور بنگاشتم　　گفتہ را پایہ بچرخ افراشتم
در حساب و ہیئت و علم و ادب　　یاد دارم نامہائے منتخب
پیکر تازہ دریں سہ گانہ فن　　نامہائے نو پذیرفتہ زمن
بر مقامات حریری بالتمام　　ہست از گفتار من سحر الکلام
ہم بفقہ و ھم بتفسیرم تواں　　کرد ارزانش خداوند جہاں
ہست تفسیر غریبم پس غریب　　کاشف اعجاز بر طرز عجیب

۱۲۔ دری کشا: یہ دری زبان کے قواعد اور اس کی فرہنگ پر مشتمل ہے۔ نجف علی خاں نے ایک کتاب وزیر نامہ یا فرہنگ وزیر خانی کے نام سے لکھی تھی۔ یہ اسی کی تلخیص ہے۔ اس کی اشاعت ۱۲۸۱ھ میں ہوئی۔ اس میں ۶۶ صفحات ہیں۔ کتاب نواب محمد وزیر خاں کے نام معنون ہے۔ مقدمہ میں نواب صاحب کے علاوہ بیٹے منشی غضنفر علی خاں، راؤ راجہ شیودان سنگھ والی الور، منشی ہرگوبند دہلوی اور بخشی محمد انعام اللہ خاں کا تذکرہ ہے۔ آخر میں مرزا غالب کی تقریظ اور مولوی غضنفر علی خاں غضنفر اور منشی ہرگوبند دہلوی کے قطعات تاریخ ہیں۔

۱۳۔ رسالہ ترکی نامہ: مہاراجہ بنے سنگھ کی فرمائش پر یہ رسالہ لکھا گیا۔ یہ ترکی زبان سکھانے کا قاعدہ ہے۔ اس میں ترکی زبان کے قواعد اور فرہنگ شامل ہیں۔ ۵۰ صفحات ہیں۔ اس کا مخطوطہ مولانا آزاد عربک پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٹونک میں محفوظ ہے۔

۱۴۔ رسالہ تشریح الحساب: علم الحساب کی کتاب ہے۔ اردو زبان میں ہے۔ اس میں عدد، کسر، الجبرا، مساحت، پیمائش وغیرہ کا بیان ہے۔ کم وبیش ۲۰۰ صفحات کی اس کتاب میں اس دور کے علم الحساب کا خلاصہ ہے۔ اس کا مخطوطہ مولانا آزاد عربک پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٹونک میں موجود ہے۔ یہ کتاب مہاراجہ بنے سنگھ کے حکم پر لکھی گئی تھی۔ کتاب کے شروع اور آخر میں مہاراجہ کی تعریف میں قصیدے

ہیں۔ایک قصیدہ کے دوشعر یہ ہیں:

ہے وہ عالی جناب فخر سخا مجمع جود والی الور

یا رب اقبال اس کا ہو دائم فیضیاب اس سے ہو جہاں یکسر

۱۵۔رسالہ دانش افزا: عربی صرف ونحو کا رسالہ ہے۔۱۸۵۰ء میں لکھا گیا۔اس کا بھی خطی نسخہ مولانا آزاد عربک پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٹونک میں موجود ہے۔

۱۶۔ریاض البیان: یہ کتاب علم بیان ومعانی پر ہے۔یہ کتاب بھی مہاراجہ بنے سنگھ والی الور کے حکم پر لکھی گئی تھی۔اس میں مہاراجہ کی مدح میں ایک قصیدہ بھی ہے۔مولانا آزاد عربک پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٹونک میں اس کا مخطوطہ محفوظ ہے اس پر تاریخ تصنیف ۷ محرم ۱۲۶۹ھ درج ہے۔

۱۷۔رسالۃ المناصب: مختصر سا رسالہ ٹی،ایس،ایلیٹ کی خواہش پر لکھا گیا تھا۔اس میں عہد مغلیہ کے مناصب اور منصب داروں کی تنخواہ کا بیان ہے۔اس کے دو مخطوطے برٹش میوزیم میں ہیں: ایک ۱۸۵۰ء کا لکھا ہوا ہے اور ایک ۱۸۵۱ء کا (۴۵) اور دو مخطوطے ٹونک میں موجود ہیں۔شاہد احمد جمالی نے ایک مخطوطہ کے کچھ صفحات کا عکس بھی اپنی کتاب میں شامل کیا ہے۔

۱۸۔سفرنگ دساتیر: یہ دساتیر کی شرح۔بہت مشہور ہے۔اگر چہ دساتیر ایک جعلی کتاب ہے اور جس زبان میں یہ لکھی گئی وہ بھی مصنوعی اور بڑی حد تک نامانوس زبان ہے۔یہ کتاب مفروضہ طور پر قدیم مزعومہ ایرانی عقائد کے مطابق آسمانی کتاب ہے۔لیکن یہ دعویٰ درست نہیں ہے اور اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔مولوی نجف علی خاں کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اس کتاب کی شرح بھی دساتیری زبان میں لکھی۔یہ کتاب مطبع سراجی سے ۱۲۸۰ھ میں امیر مرزا دہلوی کی حسب فرمائش پر شائع ہوئی۔ "نمود انجام سفرنگ دساتیر" سے تاریخ طباعت برآمد ہوتی ہے۔کتاب ۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔بعض عبارتوں سے شارح نے نبی اکرمؐ کی پیشین گوئی بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔مرزا غالب کی تقریظ ہے جو باغ دودر میں بھی شامل ہے اور منشی ہر گوند دہلوی،مرزا شمشاد بیگ اور مرزا قربان علی بیگ سالک تلمیذ غالب کے قطعات تاریخ ہیں۔

۱۹۔سیرت مرتضوی: حضرت علیؓ کے احوال،کرامات اور ان کی زندگی کے واقعات اور ان کے فتوحات پر مشتمل ہے۔فارسی نثر میں ۲۴۸ صفحات ہیں۔تصنیف نواب محمد علی خاں کے حکم پر ہوئی۔

اس کا ایک مخطوطہ ٹونک میں موجود ہے۔ محمد زماں بن محمد امان نے بنارس میں ۲۱؍ جمادی الثانی ۱۲۹۶ھ میں اس کی کتابت کی تھی۔

۲۰۔ شرح آئین اکبری: ابوالفضل کی مشہور کتاب آئین اکبری پر ضروری تشریحات ہیں۔ ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کی خواہش پر لکھی تھی۔ اس کا ایک مخطوطہ بخط مصنف برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے۔ اس کے ساتھ مولوی صاحب کا ایک فارسی خط بنام ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ موجود ہے۔ یہ خط ۲۱؍ فروری ۱۸۵۱ میں لکھا گیا تھا (۴۶)۔ شاہد جمالی نے لکھا ہے کہ یہ ۱۸۶۳ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی تھی اور یہ کہ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ سید نظیر حسین سخا (جے پور) کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ (۴۷)

۲۱۔ شرح اردو قصیدہ غوثیہ: حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ایک مشہور قصیدہ غوثیہ کے نام سے ہے۔ مولوی صاحب نے شرح لکھی۔ شروع کے ۳۶ صفحات میں قصیدہ کی شرح ہے۔ اس کے بعد ۶۶ صفحات میں حضرت کے سوانح اردو میں ہے۔ قصیدہ کے ہر شعر کی شرح نثر و نظم دونوں میں کی ہے۔ مثلاً قصیدے کا ایک شعر ہے:

سقانی الحب کاسات الوصال　　فقلت لخمرتی نحوی تعال

اس شعر کی منظوم شرح یوں لکھی ہے:

پلایا محبت نے جب مجھ کو جام　　کیا خمر سے میں نے اپنا کلام
کہ خمر میری میرے پاس آ　　مجھے صحو کے جال سے خود چھڑا
چھڑا دے مجھے وہم پندار سے　　ملا دے مجھے خود میرے یار سے
تو وحدت کا پیالہ پلا دے مجھے　　خودی کے نشے سے چھڑا دے مجھے

۲۲۔ شرح تحفۃ العراقین: ٹونک میں اس کتاب کے ابتدائی پانچ اوراق محفوظ ہیں۔ اس کے مکمل نسخہ کی کوئی اطلاع نہیں ہے۔ خاقانی کی مثنوی تحفۃ العراقین جوان کا سفرنامہ حج ہے۔ یہ اس کی شرح ہے۔

۲۳۔ شرح قصائد خاقانی: یہ فارسی کے مشہور شاعر خاقانی کے قصائد کی شرح ہے۔ ٹونک میں اس کا ایک مخطوطہ موجود ہے۔ (۴۸)

۲۴۔ شرح قصیدہ امالی: عقائد کی مشہور کتاب قصیدہ امالی کی شرح ہے۔ فارسی اور اردو دونوں

زبانوں میں ہے۔مولوی نجف علی خاں نے نواب محمد علی کے حکم سے بنارس میں لکھی تھی۔اس کا مخطوطہ ٹونک میں موجود ہے۔

۲۵۔فرہنگ وزیرخانی: اس کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے۔دری کشا کے نام سے جو کتاب شائع ہوئی ہے وہ دراصل اسی کی تلخیص ہے۔

۲۶۔فضائل صدیقیؓ: حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حالات میں ۱۵۳ اوراق کی کتاب ہے۔یہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔اس کے ایک مخطوطہ کا ذکر احمد منزوی نے کیا ہے(۴۹)،ان کی تصریح سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ منظوم ہے اور شاہ نامہ فردوسی کے طرز پر ہے۔اس کا امکان ہے کہ یہ تکملہ صولت فاروقی کا حصہ ہو۔

۲۷۔فہرست مخطوطات الور: مولوی نجف علی خاں نے الور کے کتب خانے میں موجود مخطوطات کی یہ فہرست تیار کی تھی۔منشی سلطان سنگھ نے اس کی تصنیف میں ان کا تعاون کیا تھا۔اس میں چار سو مخطوطات کا اندراج ہے۔یہ مطبوعہ ہے اور ایک مطبوعہ نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔(۵۰)

۲۸۔کافل الاسعاد شرح بانت سعاد: نواب محمد علی خاں والی ٹونک نے مولوی نجف علی خاں کو حکم دیا کہ قصیدہ بانت سعاد،قصیدہ بردہ اور قصیدہ امالی عقائد کی شرح لکھیں۔چنانچہ انہوں نے تینوں کتابوں کی تین تین شروحات لکھ دیں۔کافل الاسعاد اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔یہ ۱۲۹۵ھ میں مطبع حسینیہ بنارس سے شائع ہوئی۔

کتاب کے شروع اور آخر میں دو طویل قصیدے ہیں۔شروع کے قصیدے میں انسان کے مقصد تخلیق کو بیان کیا ہے۔پھر اپنی تعریف و توصیف اور اپنی تصنیفات کا تذکرہ ہے۔اس کے بعد نواب محمد علی خاں کی تعریف میں ایک قصیدہ ہے۔آخر میں چند اشعار میں اپنی اس شرح کا بھی تذکرہ کیا ہے۔قصیدے کے بعد ۲۰ صفحہ کا مقدمہ ہے،جس میں کعب بن زہیر اور ان کے بھائی بجیر بن زہیر کے حالات اور ان کے اشعار ہیں،پھر اصل قصیدہ کی شرح ہے۔یہ شرح ۱۱۸ صفحات پر مشتمل ہے۔مصنف کے مطابق انہوں نے یہ شرح صرف دو دن میں لکھ لی تھی۔

۲۹۔لب اللباب: فن منطق میں ہے اور یہ بھی درسی انداز کی ہے۔مہاراجہ بنے سنگھ کی فرمائش پر لکھی گئی۔شروع اور آخر میں مہاراجہ کی مدح میں قصیدے بھی شامل ہیں۔اس میں ۲۱۲ صفحات ہیں۔اس کا ایک مخطوطہ ٹیوٹ ٹونک میں موجود ہے۔

۳۰۔لطائف عجیب: یہ مہاراجہ الور کی فرمائش پر لکھی گئی۔اس میں لطیفے اور مختلف تاریخی اور غیر تاریخی قصے جمع کیے گئے ہیں۔یہ بھی فارسی نصاب پر مشتمل درسی کتاب ہے جو مطبوعہ ہے۔

۳۱۔مثنوی در تہنیت انجمن شادی: مہاراجہ شیودان سنگھ کی شادی جھالڑ پاٹن میں ہوئی تھی،یہ مثنوی اسی موقع پر لکھی گئی تھی۔دو نظمیں ہیں:پہلی نظم میں شادی کے انتظامات اور دوسری میں بارات کا بیان ہے۔زیر نظر مخطوطہ ناقص ہے۔بارات کی روانگی کے بارے میں ایک شعر یہ ہے:

روان شد ہمچوں خورشید منور بسوئے جھالڑا پاٹن ز الور

بارات کے ٹونک پہنچنے اور ٹونک کے نواب کی مہمان داری کے ذکر میں دو اشعار یہ ہیں:

رئیس ٹونک آں والا شکوہے خداداں سرورے دانش پژوھے

وزیر الدولہ زیب جاہ و اجلال امیرالملک آں فرخندہ اقبال

۳۲۔مثنوی خزانیہ: مثنوی خزانیہ ایک تمثیلی قصہ ہے۔جس میں طنز و تضحیک ہے۔لیکن مختلف کھیلوں اور ان کے آلات و لوازم،کھانوں،پھلوں،میووں،پھولوں وغیرہ کے بہت سے نام آ گئے ہیں زبان و بیان کے اعتبار سے اس مثنوی کی بڑی اہمیت ہے اس میں ہم معنی اور ہم صوت الفاظ کا استعمال بڑی چابک دستی سے کیا گیا ہے۔یہ شعر دیکھیے:

موسیقی کو سیکھتے ارذال ہیں مولوی جی اس سے فارغ بال ہیں

صرف میں گر عمر ساری صرف ہو ہوگا مشکل بوجھنا یک صرف کو

ہندسے کا اور ہی انداز ہے ہند سے تا سندھ یہ آواز ہے

۳۳۔مثنوی نظم مناقب: اس کا شمار نجف علی خاں کی مشہور کتابوں میں ہوتا ہے۔اس کے متعدد مخطوطے موجود ہیں۔لیکن ابھی تک طبع نہ ہو سکی۔اس کے دو نسخے علی گڑھ میں بھی ہیں۔اگرچہ مصنف مسلکاً سنی تھے۔لیکن یہ کتاب شیعہ انداز پر لکھی گئی ہے،اس میں بارہ اماموں کی منقبت ہے اور کتاب کے شروع میں شیعوں کے تصور امامت کا بھی بیان ہے۔یہ کتاب ۱۸۶۶ء/ ۱۲۸۳ھ میں تالیف ہوئی اور مصنف نے اسے نظام حیدر آباد کی خدمت میں ارسال کیا۔

مصنف نے شروع میں اپنے محامد و اوصاف بیان کیے ہیں،پھر لکھا ہے کہ ان خوبیوں کے باوجود میرا بخت برگشتہ رہا اور میں مصائب و رنج و محن اٹھاتا رہا،اس کے بعد نواب حیدر آباد سے مدد کی

درخواست کی گئی ہے۔ اس کتاب میں شہر حیدر آباد، نواب حیدر آباد افضل الدولہ بہادر اور مختار الملک نواب سالار جنگ کی مدح میں قصیدے ہیں۔ شہر حیدر آباد کی تعریف میں یہ خوب صورت اشعار ملاحظہ ہوں:

حیدر آباد کشور آباد مسکن سروری و دانش و داد
حیدر آباد آں ارمغان سخن بفرستم کزیں بیان سخن
سروراں را سزندہ کاشانہ داوراں را گزیدہ ترخانہ
مامن اہل فضل خواندش مسکن فیض جود دانندش
معدن سروری است نام دگر کان اقبال وجاہ ودولت وفر
خاک آں آبروئے کشورہا آب آں روش خاورہا
شاہی و خسروی پدیدآں جا قفل چپ بستہ را کلید آں جا
کار دشوار ارزاں باسانی وقت آں جا امیر رخانی
ابر آں جاہمہ گہربارست زر فشاندن بخاوری کارست

۳۴۔ ہدیہ محمدیہ: یہ اصل میں عقائد سے متعلق ۸ صفحات کا عربی رسالہ تھا، اس کے مصنف محمد ابراہیم بن الحسین الحسنی الحسینی تھے۔ نجف علی خاں نے اس کا فارسی اور اردو میں ترجمہ کیا۔ کتاب کے شروع اور آخر میں مقدمہ اور اختتامیہ کے علاوہ ایک طویل قصیدہ ہے۔ یہ کتاب مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوئی۔ ترقیمہ میں لکھا ہے: حسب الحکم نواب محمد علی خاں بقلم ہیچ رقم کمترین محمد علی اکبر آبادی۔ اس کتاب میں ۹۶ صفحات ہیں۔ چونکہ مصنف نے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے اور ان کی اردو تحریریں ناپید ہیں اس لیے چند سطریں بطور نمونہ درج کی جاتی ہیں:

"سبحان اللہ۔ یہ بھی ایک ظاہر سچا نشان ہے دین اسلام کی سچائی کا اور سب دینوں پر زبردست اور غالب ہونے کا۔ اس تصریح سے کہ جس دین میں ایک ایک عالم ایسے ایسے رسالے مختصر تصنیف کر کے دین کے مخالفوں کو کھلا ہوا الزام دے کر بیہودہ اور بے صرفہ گفتگو کرنے سے بستہ زبان اور بردوختہ لب اور بالکل مبہوت کردے اور سچے دین داروں کو صاف دکھلا دے کہ اسلامی شریعت ہے کیسی شریعت، کیسی سچی ہے جس کے سارے قانون اور سب باتیں پکی سمجھ والوں کو دین

اور دنیا کی خوبیوں سے آگاہ کرتی ہے اور دونوں جہان کی خوبیاں بخشتی ہے اور حقیقت میں یہ رسالہ ایک معجزہ ہے حضرت خاتم الانبیاء سید المرسلینؐ کا کہ جن کی شریعت کے عالم معجزہ کے بیان کرنے میں معجزہ دکھاتے ہیں اپنی خوش بیانی اور عقلی دلیلوں کے لانے سے‘‘۔(۵۱)

شاعری: مولوی نجف علی خاں کو مبدأ فیاض سے موزوں طبیعت اور ذہن رسا عطا ہوا تھا۔ نظم ونثر پر انہیں یکساں قدرت حاصل تھی۔ پوری پوری کتابیں بہ آسانی نظم کرلیا کرتے تھے۔ ان کی متعدد تصانیف منظوم ہیں۔ فارسی کے علاوہ ان کے کئی دیوان ہیں۔ غالباً ان کے ایک لاکھ سے زائد اشعار تھے۔ وہ خستہ، ملہمی اور نجف تخلص رکھتے تھے۔ ان کی شاعری کی خاص خوبی سلاست وروانی ہے۔ اس میں زبردست آمد پائی جاتی ہے۔ وہ زیادہ تر چھوٹی بحروں میں شاعری کرتے تھے۔ اسی لیے ان کی نظموں میں نغمگی کا عنصر مزید نمایاں ہوگیا۔ ایک نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

امی و نکتہ دان سر ازل پاک گوہر محمد مرسلؐ
آسمانی بہ پیکر عربی بر گزین رہبر خدا طلبی
معنی قدس پیکر پاکش افسر فرق خسرواں خاکش
آں ستودہ نہاد پاک گہر مقبل حضرت جہاں داور
افتخار پیمبران بزرگ مایہ ناز سروران سترگ
آں حبیبؐ خدا گزیدہ او باصفات گزیں سزیدہ او
خاکی و بر سپہر جا کردہ بر سر ماہ و مہر جا کردہ

قصہ ہیر رانجھا کے دو شعر:

بیانم دلنشین این و آن کن بجاں بہ نشتہ پیر و جوان کن
جوانم کن بہ فکر نوجواناں کہ نازد پیریم دور زمانہ

غالب اور نجف علی خاں: مولوی نجف علی خاں کا اپنے عہد کے اکثر سر برآوردہ لوگوں سے ربط و تعلق تھا۔ مرزا غالب سے بھی ان کے اچھے مراسم تھے۔ مرزا نے ان کی دو کتابوں یعنی سفرنگ دساتیر اور دری کشا پر تقریظیں لکھیں اور متعدد خطوط میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

منشی حبیب اللہ ذکا (۱۲۲۴ھ-۱۲۹۱ھ) کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''ہاں صاحب! خط دریوزہ کے ساتھ ایک خط مولوی نجف علی صاحب کے نام مع اس حکم کہ میں اس کو مولوی صاحب کے پاس پہنچادوں میں نے پایا، حال یہ ہے کہ مولوی صاحب سے میری ملاقات نہیں، صرف اتحاد معنوی کے اقتضا سے انھوں نے دافع ہذیان لکھ کر فن سخن میں مجھ کو مدد دی ہے۔ منشی ہر گوبند دہلی ایک ان کے شاگرد اور میرے آشنا ہیں۔ ان کو وہ خط بجنسہ بھیج دیا، یقین ہے کہ مولوی نجف علی کو بھجوادیں گے، انہی کے اظہار سے دریافت ہوا کہ مولوی صاحب مرشدآباد بنگالہ میں ہیں، نواب ناظم نے ان کو نوکر رکھ لیا ہے''۔ (۵۲)

خواجہ غلام غوث خاں بے خبر (۱۸۲۴ء-۱۹۰۴ء) کے نام اگست ۱۸۶۴ء میں ایک خط میں لکھا ہے:

''ایک مولوی نجف علی ہیں باوجود فضیلت علم، عربی و فارسی دانی میں ان کا نظیر نہیں۔ وہ جو ایک شخص مجہول الحال نے اہل دہلی میں سے میرے کلام کی تردید میں کتاب تصنیف کی ہے مسمی بہ محرق برہان قاطع انھوں نے اس کی توہین اور مسودہ کی تفضیح میں دو چیزوں کا ایک نسخہ مختصر لکھا ہے''۔ (۵۳)

مولوی نعمان کے نام لکھتے ہیں:

''حضرت کو اپنے حال پر متوجہ پاکر اور مائل تحقیق جان کر کل چار سواد میں نے بہ سبیل پارسل روانہ کیے۔ ایک دافع ہذیان مصنف اس کے مولوی نجف علی مجمع البحرین علم فارسی و عربی .... مولوی نجف علی نے منصفانہ اس کے رد میں ایک رسالہ لکھا موسوم بہ دافع ہذیان، فارسی قدیم کی طرز پر''۔ (۵۴)

سید غلام حسنین قدر بلگرامی کے نام لکھا ہے:

''مولوی نجف علی کی کیا تعریف کرتے ہو۔ تم کچھ لکھو تو جانوں، واللہ اگر کبھی مولوی صاحب میرے گھر آئے ہوں یا میں نے ان کو دیکھا ہو، چہ جائے اختلاط و ارتباط۔ صرف بہ اعانت جانب حق چند کلمات انھوں نے لکھے ہیں.... آخر

مولوی نجف علی صاحب نے بھی تو اپنی قوت عاقلہ سے بے اعانت غیر محرق کے جامع (یعنی مصنف) کی دھجیاں اڑائیں ہیں"۔(۵۵)

مرزا رحیم بیگ کے نام ایک خط میں لکھا ہے:

"مولوی نجف علی اور میاں داد خاں سے جدا بگڑتے ہو"۔(۵۶)

مولوی نجف علی خاں نے بھی مرزا غالب کی بہت تعریف وتوصیف کی ہے اور ان کے لیے بڑے اچھے القاب استعمال کیے ہیں۔ سفرنگ دساتیر پر مرزا غالب کی تقریظ سے پہلے ان کا نام ان القاب کے ساتھ لکھا ہے:

"تقریظے کہ والا فرگاہ خردی، راز آگاہ، ستودہ گفتار، سخن پرور، سرمایہ نازش کمال و ہنر، جناب مرزا اسد اللہ خاں المتخلص بہ غالب المشہور بہ مرزا نوشہ ادام اللہ تعالیٰ مجدہم"۔

دافع ہذیان میں بھی انہوں نے مرزا غالب کی بہت تعریف وتوصیف کی ہے۔ اس میں کئی جگہ مرزا کا نام لیا ہے، لیکن ہر جگہ القاب وآداب کے ساتھ۔ ایک جگہ لکھا ہے:

"ستودہ فرگاہ، خرد ہوش آگاہ، درخشاں گوہر، سرمایہ ناز نیشان سخن پرور جناب مرزا اسد اللہ خاں غالب"۔(۵۷)

مرزا غالب اور مولوی نجف علی خاں کے تعلقات کی نوعیت واضح نہیں ہے۔ مرزا نے تو تعلقات کی نفی کی ہے۔ لیکن مولوی نجف علی خاں نے ایک جگہ لکھا ہے:

"تعلق ظاہری ہمچوں شاگردی وخویشی جز بداں جناب ندارم"۔(۵۸)

آخر میں بطور تذکرہ یہ ہے کہ بعد کے زمانے میں ماہرین غالبیات نے مولوی نجف علی کی دافع ہذیان یا زیادہ سے زیادہ سفرنگ دساتیر کو پیش نظر رکھا، ان کی دوسری تصنیفات ان کے پیش نظر نہیں رہیں۔ دساتیر ایک جعلی کتاب ہے، اس لیے اس سے تو کچھ حاصل نہیں۔ دافع ہذیان علمی معیار سے فروتر ہے، اس لیے اس کتاب سے ان کی علمی قابلیت اور فضیلت آشکارا نہیں ہوسکی اور متعدد محققین نے ان کو عامی فضول اور جاہل جیسے الفاظ سے نوازا ہے۔ یہاں صرف دو مثالیں پیش خدمت ہیں:

قاضی عبدالودود نے لکھا ہے:

''نجف اپنی نثر میں دساتیری الفاظ لانے کے بہت شائق ہیں اور اس کے علاوہ اور تدابیر بھی اختیار کرتے ہیں کہ ان کی نثر آسانی سے دوسروں کی سمجھ میں نہ آئے۔غالب میں اور ان میں من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو، کا معاملہ ہے، غالب نے ان کی تعریف میں بڑا مبالغہ کیا ہے''۔(۵۹)

عبدالستار صدیقی مسعود حسن رضوی ادیب کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''۱۱رجون کا خط ملا، ممنون کیا۔مولوی نجف علی خاں ظاہراً یہ وہی صاحب ہیں جنھوں نے شرح دساتیر لکھی تھی، جو چھپ چکی ہے، لیکن اب کم یاب ہے۔ایک دوست سے بہت دن ہوئے لے کر دیکھی تھی۔ایک تو دساتیر ایک مجہول چیز اور جس زبان میں وہ لکھی گئی ہے وہ سراسر مصنوعی، دوسرے شارح وہ صاحب جو سوائے چند لغات متفرقہ کے قدیم فارسی زبان سے واقف نہیں....انہیں مولوی نجف علی نے محرق قاطع کے مقابلے میں دافع ہذیان بھی لکھی اور غالب نے ان کے فضائل ومحامد کا اور ان کی فارسی عبارت کی خوبی کا اور ان کی انصاف پسندی کا ذکر جا بجا کیا ہے۔یہ کتاب میرے پاس ہے۔بہت چھوٹا سا رسالہ فارسی میں ہے، بے چارے سعادت علی خاں کو بہت برا بھلا کہا ہے، ان کی فارسی دانی اور انشاء کی خوب مذمت کی ہے، زبردستی کے اعتراض کر کے انہیں ذلیل کرنے کی کوشش کی ہے۔اصل بحث جن مسائل پر ہونی چاہیے ان کا نشان سارے رسالے میں نہیں۔حیرت ان حضرت پر نہیں ہوتی، بلکہ مرزا غالب پر کہ مولوی نجف علی کی ہر کم زوری سے قطع نظر ان کی مدح وثنا کر رہے ہیں ....مولوی نجف علی کے رسالے میں کچھ بھی نہیں ہے''۔(۶۰)

ان دو مثالوں سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ مرزا غالب کی حمایت کے نتیجہ میں مولوی نجف علی خاں کی شخصیت کس بری طرح مجروح ہوئی اور ان کی علمی صلاحیت اور فضل وکمال کے باوجود کس طرح ان پر جہل وناواقفیت اور بے علمی کا الزام لگایا گیا۔

مسلک: نجف علی خاں کے بارے میں آقائی احمد منزوی نے لکھا ہے: وی شیعی بودہ (۶۱) (وہ شیعہ تھے)۔احمد منزوی کو غالباً ''نظم مناقب'' کی وجہ سے تسامح ہوا۔سید حسین عارف نقوی نے بھی

اسی طرح کی غلط فہمی کی بنیاد پر ان کو شیعہ امامیہ کے علماء میں شمار کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مولوی نجف علی خاں سنی حنفی تھے۔ ان کے تمام معاصر جیسے حکیم عبدالحی الحسنی نے ''نزہۃ الخواطر'' میں ان کو حنفی لکھا ہے۔ خود انہوں نے شوکت صدیقی کے نام سے ایک کتاب مناقب حضرت ابو بکر صدیقؓ میں تصنیف کی، کتاب الردہ اور فتوح الشام کا ترجمہ کیا۔ متعدد جگہ خلفائے اربعہ اور ائمہ اربعہ کی تعریف و توصیف کی ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں لکھا ہے:

خوشا صدیق آں پاکیزہ گوہر　　خلافت را بسر رخشندہ افسر
نبی را یار غار آں پاک کردار　　فراہیدہ منش فرہیدہ گفتار

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ شیعہ نہیں تھے۔

اولاد: مولوی نجف علی خاں کے ایک بیٹے اور ایک بیٹی کا تذکرہ ملتا ہے۔ بیٹے مولوی غضنفر علی خاں اپنے وقت کے جید عالم تھے مصنف بھی تھے۔ شعر بھی کہتے تھے۔ دری کشا پر ان کی منظوم تقریظ ہے۔ مولوی نجف علی خاں نے ان کی تقریظ بڑے القاب اور تعریف و توصیف کے ساتھ درج کی ہے۔

تاریخ کہ لخت جگرم، نوجوان ہمہ ہوش و دانش آراء، مولوی منشی غضنفر علی خاں غضنفر زاد عمرہ و قدرہ بنگاشتہ۔

مولوی غضنفر علی خاں مصنف، مترجم اور شاعر تھے۔ ان کے درج ذیل کاموں کا راقم کو علم ہو سکا ہے:

۱۔ ذخیرہ اسکندرانی: علم نجوم کی کتاب ہے۔ اصلاً عربی میں تھی۔ عربی سے فارسی ترجمہ ہوا اور فارسی ترجمہ سے غضنفر علی خاں نے اس کا اردو ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ ۱۳۰۸ھ میں نواب احمد خاں شوکت والی ٹونک کے حکم سے ہوا تھا۔ کتاب کے آخر میں مترجم کا درج ذیل قطعہ ہے۔

جہاں میں رہے یہ میری یادگار　　رہے سرقہ و نسخ سے برقرار
غضنفر کی یا رب دعا ہو قبول　　بحق جناب محمد رسولؐ
سلام اس پر اور اس کی اولاد پر　　سدا بھیجتا رہیو اے داد گر(۶۲)

۲۔ ترجمہ منتخب الصنائع: اس کے مصنف ڈاکٹر فندق بک ہیں۔ غضنفر علی خاں نے عربی سے اس کا اردو ترجمہ کیا۔ اس کا موضوع صنعت و حرفت ہے۔ مخطوطہ ۱۳۱۱ھ کا لکھا ہوا ہے۔(۶۳)

۳۔ترجمہ باب العشاق از احیاء العلوم: امام غزالی کی شہرہ آفاق کتاب احیائے علوم الدین کے باب العشق کا منظوم ترجمہ ہے۔مصنف نے یہ ترجمہ نواب محمد علی خاں والی ٹونک کے لیے کیا تھا۔ حمد وثنا کے بعد خلفائے اربعہ کی تعریف ہے۔نواب محمد علی خاں کی شان میں ایک قصیدہ اور اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔کتاب ۲۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔(۶۴)

۴۔دانش دانیال: علم رمل کی ایک کتاب ہے۔یہ اندازہ نہیں ہوسکا کہ یہ ترجمہ ہے یا طبع زاد تصنیف ہے۔(۶۵)

شاہد احمد جمالی نے ان کی دو اور کتابوں شرح قصیدہ ارمغان محمدی اور عجیبہ عشرہ نیز ایک قلمی بیاض کا تذکرہ کیا ہے، یہ اشعار ان کے خود کے قصائد پر مشتمل ہیں،اس میں اردو، عربی، فارسی اور ہندی زبان میں ان کے متعدد قصیدے شامل ہیں۔(۶۶)

غضنفر علی خان کے دو بیٹے مولانا سید امیر حسن سہا مجددی اور مولانا سید نظیر حسین سخا تھے۔ دونوں مشہور عالم اور دانشور تھے۔متعدد کتابوں کے مصنف، رسائل کے مدیر اور شاعر تھے۔غضنفر علی خاں کی بیٹی، جن کا نام صالحہ پروین تھا اور جو بڑی بیگم کے لقب اور ام مشتاق کی کنیت سے مشہور تھیں، صاحب دیوان شاعرہ تھیں۔ان کے دیوان کا پہلا ایڈیشن نواب میر عثمان علی خاں کے نام معنون ہے۔ اس پر انہیں پانچ سو روپیہ نقد انعام بھی ملا تھا۔دیوان کے دوسرے ایڈیشن میں سرکشن پرشاد شاد کی تقریظ بھی شامل ہے۔

مولوی نجف علی خاں کی ایک بیٹی صغیر النساء تھی، جن کا نکاح تجارہ میں ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء میں غلام منصور کے بیٹے اور حافظ غلام احمد فروغی کے بھائی عبد الغفور (پیدائش ۷/رمضان ۱۲۶۳)سے ہوا تھا۔(۶۷)

حواشی

(۱)منظور الحسن برکاتی، سید، یادگار منظور، انتخاب وتدوین، ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی، دار النوادر، لاہور ۲۰۱۳ء، ص ۱۷۸۔(۲) تفسیر غریب، مخزونہ ذخیرہ حبیب گنج مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ، ورق ۲ الف، مولوی نجف علی خاں نے اور بھی متعدد کتابوں میں اپنا نسب نامہ بیان کیا ہے۔ایک بات بطور استدراک یہ ہے کہ ظفر کمالی نے مشہور مزاح نگار احمد جمال

پاشا پر ایک مضمون لکھا تھا جو اگست ۱۹۹۷ کے تہذیب الاخلاق علی گڑھ میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں انہوں نے احمد جمال پاشا کو نجف علی خاں کی اولاد ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ راقم الحروف نے مجلہ غالب نامہ جنوری ۲۰۰۳ میں دلائل سے ثابت کیا تھا کہ احمد جمال پاشا کا مولوی نجف علی خاں جھجری سے تعلق نہیں ہے ان کا یہ نسب نامہ فرضی ہے۔ حکیم سید ظل الرحمان نے بھی میرے دلائل پر اطمنان کا اظہار کیا تھا۔ مجھے معلوم نہیں ظفر کمالی کی نظر سے یہ مضمون گذرا یا نہیں لیکن ان کو مخدومی حکیم ظل الرحمٰن صاحب کے ذریعہ اس مغالطہ کا احساس ہو گیا اور بعد میں انہوں نے اس سے رجوع کر لیا۔ انہوں نے حیرت انگیز بات یہ لکھی ہے کہ بقول ظفر احمد کمالی یہ غلط فہمی ان کی نہیں تھی بلکہ خود احمد جمال پاشا نے اپنا یہ نسب خود بیان کیا تھا۔ ایک ذی علم خاندان میں اپنے سگے پردادا کے بارے میں اتنی بڑی غلط فہمی تاویل کا راستہ بند کر دیتی ہے۔ (متعلقات احمد جمال پاشا از ظفر کمالی، شمشاد علی فاؤنڈیشن، نئی دہلی، ۲۰۰۶، ص ۹۔۱۰۔ (۳) مثنوی نظم مناقب، مخزونہ ذخیرہ حبیب گنج مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ، ورق ۱۴ الف۔ (۴) نجف علی خاں جھجری: درۃ التاج ترجمہ منہاج ابن حجر، مطبع حسینیہ بنارس، ۱۸۷۸، ص ۷۔ (۵) انوار الرحمان بسمل: ائمہ الہدیٰ، آگرہ طبع ۱۹۱۹، ص ۴۴۔ (۶) صالحہ بیگم پروین: دیوان پروین مقدمہ از سید مشتاق حسین، طبع آگرہ، بدون سنہ ص ۹، ائمہ الہدیٰ ص ۴۴۔ (۷) حکیم محمد عمران خاں: تذکرہ علمائے ٹونک، مرتبہ مولانا عمر خاں ندوی، مولانا آزاد عربک پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک، ۲۰۰۶، ص ۳۵۵۔ (۸) صاعقہ ناز: نواب محمد علی خاں والئی ریاست ٹونک کے عہد میں فارسی زبان وادب، تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، برکت اللہ یونیورسٹی، بھوپال، ۲۰۰۸، ص ۱۰۵۔ (۹) شاہ رفیع الدین: تفسیر رفیعی (تفسیر مولانا یعقوب چرخی کے حاشیہ پر) مطبوعہ نقشبندی پریس، دہلی، ۱۲۷۲، ص ۲، ڈاکٹر محمد ایوب قادری: اردو نثر کے ارتقا میں علما کا حصہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۸، ص ۶۰۔ (۱۰) دیوان پروین، ص ۹۔۱۰۔ (۱۱) ایضاً، ص ۱۰۔

(۱۲) J.F. Blumhardt: catalouge of Hindustani Printed Books In the Biritish Musuem, London 1889, P.105

شاہد احمد جمالی: خانوادہ مولانا سید نجف علی خاں جھجری، راجپوتانہ اردو ریسرچ اکیڈمی، جے پور، ۲۰۱۵، ص ۵۳۔ (۱۳) دیوان پروین، ص ۹۔۱۰، اصل کتاب میں سنہ ۱۸۴۴ لکھا ہے لیکن کبل کی جنگ ۱۸۴۲ء میں ہوئی تھی اور اس وقت وائسرائے Lord Auckland تھے۔ ممکن ہے دیوان پروین کے مقدمہ نگار کو سنہ کے سلسلے میں تسامح ہوا ہو۔

(۱۴) Catalogue of the Persian Manuscript in British Museum, Bitish museum,

1883, Vol. 3 PP 928

(۱۵) نواب علی حسن خاں سلیم: تذکرہ صبح گلشن، طبع بھوپال، ۱۲۹۵، ص ۵۰۵۔ (۱۶) عبدالغفور نساخ: خودنوشت سوانح حیات نساخ، مرتبہ عبدالسبحان، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، ۱۹۸۶، ص ۷۵۔۷۶۔ (۱۷) تذکرہ صبح گلشن، ص ۵۰۵۔ (۱۸) خانوادہ مولانا سید نجف علی خاں جھجری، ص ۸۳۔ (۱۹) صبح گلشن، ص ۵۰۵۔ (۲۰) تذکرہ علمائے ٹونک، ص ۳۵۶۔ (۲۱) محمد اعجاز خاں: تاریخ ٹونک، عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ راجستھان، ٹونک، ۱۹۸۳، ص ۸۴۔ (۲۲) مالک رام: ذکر غالب، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، ۱۹۷۶، ص ۱۷۶۔ تذکرہ علمائے امامیہ میں ان کا سال وفات ۱۲۸۹ھ لکھا ہے اور اتفاق سے نساخ نے جو قطعہ تاریخ وفات لکھا ہے اس میں بھی یہی سنہ برآمد ہوتا ہے۔ لیکن تمام معاصر اور معتبر تذکروں میں ان کا سال وفات ۱۲۹۹ھ ہی لکھا ہے جیسے نزہۃ الخواطر میں یہی سنہ ہے اسی طرح بیاض رفعت میں بھی یہی سنہ دیا ہوا ہے۔ (۲۳) عبدالغفور نساخ: تذکرہ معاصرین (مخطوطہ) بحوالہ آثار غالب از قاضی عبدالودود، مشمولہ علی گڑھ میگزین، غالب نمبر ۱۹۴۸، زیر ادارت پروفیسر مختارالدین احمد۔ (۲۴) گارساں دتاسی: خطبات، بہ نظر ثانی ڈاکٹر حمیداللہ، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، طبع دوم، ۱۹۷۵، جلد ۲، ص ۲۸۷۔ (۲۵) صبح گلشن، ص ۵۰۵۔ (۲۶) عبدالحئی حسنی: نزہۃ الخواطر، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، طبع اول ۱۹۵۹، جلد ۲، ص ۴۹۶۔ (۲۷) عبدالغفور نساخ: مرغوب دل، مطبع نول کشور، ۱۲۸۲، ص ۱۹۔ (۲۸) مرزا غالب: غالب کے خطوط، مرتبہ خلیق انجم، غالب انسٹی ٹیوٹ، دہلی، ۱۹۹۳، جلد ۲، ص ۶۵۹۔ (۲۹) مولوی نجف علی خاں: سفرنگ دساتیر، مطبع سراجی، دہلی، ۱۲۸۰، ص ۱۹۵۔ (۳۰) مولوی نجف علی خاں: دری کشا، دہلی ۱۲۸۱۔ (۳۱) رحمان علی: تذکرہ علمائے ہند، مطبع نامی نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۴، ص ۲۳۶۔ (۳۲) مولوی نجف علی خاں: مثنوی نظم مناقب، بخط محمد علیم الدین سہنہ، مخزونہ ذخیرہ حبیب گنج مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ۔ (۳۳) تذکرہ معاصرین، محولہ بالا۔ (۳۴) تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۳۶۔ (۳۵) دیوان پروین، ص ۱۰۔ (۳۶) سید حسین عارف نقوی: تذکرہ علمائے امامیہ پاکستان، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۴، ص ۵۱۔۵۲۔ (۳۷) نجف علی خاں: تذکرہ شق القمر، مطبع حسینیہ، بنارس، ۱۸۷۷۔ (۳۸) تذکرہ علمائے ٹونک، ص ۳۵۸۔ (۳۹) احمد منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہائے خطی فارسی پاکستان، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۹۸۴، جلد ۳، ص ۱۱۵۳۔ (۴۰) تذکرہ علمائے ٹونک، ص ۳۵۸۔ (۴۱) تذکرہ علمائے ٹونک، ص ۳۵۹۔ (۴۲) فہرست مشترک نسخہ ہائے خطی فارسی پاکستان، جلد ۲، ص ۱۱۵۳۔ (۴۳) خانوادہ مولانا سید نجف علی خاں جھجری، ص ۳۸۔ (۴۴) تفسیر غریب محولہ بالا، ورق ۲۴ الف۔

(۴۵) Catalogue of the Persian Manusript in British Museum, Vol. 3 PP990-91

(۴۶) Catalogue of the Persian Manuscript in British Museum,Vol 3 PP928

(۴۷) خانوادہ مولانا سید نجف علی خاں جھجری،ص ۱۱۰۔(۴۸) ایضاً،ص ۳۵۸۔(۴۹) فہرست مشترک نسخہ ہائے خطی فارسی پاکستان،جلد ۳،ص ۱۱۵۳۔

(۵۰) Catalogue of the Persian Manuscript in British Museum, Vol. 3 PP1061

(۵۱) نجف علی خاں جھجری: ہدیہ محمدیہ،مطبع مفید عام،آگرہ،ص ۹۵۔(۵۲) غالب کے خطوط،جلد ۴،ص ۱۵۳۷۔ (۵۳) ایضاً،جلد ۲،ص ۶۵۹۔(۵۴) ایضاً،جلد ۴،ص ۱۴۵۷۔(۵۵) ایضاً،جلد ۴،ص ۱۴۲۶۔(۵۶) ایضاً،جلد ۴، ص ۱۴۷۸۔(۵۷) مولوی نجف علی خاں: دافع ہذیان،اکمل المطابع دہلی،۱۲۸۱،ص ۲۶۔۲۷۔(۵۸) ایضاً،ص ۸۔ (۵۹) آثار غالب محولہ بالا۔(۶۰) نیر مسعود(مرتب): خطوط مشاہیر،اتر پردیس اردو اکادمی لکھنؤ،۱۹۸۵،ص ۱۹۳۔(۶۱) فہرت مشترک نسخہ ہائے خطی فارسی پاکستان،جلد ۳،ص ۱۱۵۳۔(۶۲) نصیر الدین ہاشمی: اسٹیٹ سینٹرل لائبریری کے مخطوطات،جلد ا،ص ۳۴۶۔(۶۳) ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی: ترجمہ کا عمل اور اس کی اہمیت،مشمولہ ہماری زبان،نئی دہلی،۱۵/مئی ۱۹۹۳۔(۶۴) خانوادہ مولانا سید نجف علی خاں جھجری،ص ۱۴۷ ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی نے اس کتاب کا انتساب مولوی نجف علی خاں کی طرف کیا ہے۔(۶۵) ایضاً،ص ۱۳۱۔(۶۶) ایضاً،ص ۳۲۔۱۳۱۔ (۶۷) حکیم سید ظل الرحمان: حیات کرم حسین،ابن سینا اکیڈمی علی گڑھ،طبع دوم،۲۰۰۸،ص ۲۱۱۔حکیم سید ظل الرحمان نے تجارہ کے لوگوں سے نجف علی کے رشتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:''تجارہ اور جھجر کے درمیان رشتہ داریوں کا قدیم سلسلہ تھا۔میاں سلام اللہ کی اہلیہ نجف علی کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔خود نجف علی الور کے زمانہ قیام میں تجارہ میں کثرت سے مقیم رہتے تھے۔قاضی امداد علی کی سگی چچا زاد بہن غلام علی،جھجر سے منسوب تھیں اور حکیم سید کرم حسین کے حقیقی خالو اور ان کی اہلیہ حکیم النسا کے حقیقی ماموں عبدالغفور کی دوسری شادی ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء میں نجف علی کی صاحبزادی صغیر النساء سے ہوئی تھی....ایک اور رشتہ سے نجف علی عبدالغفور کے نانا بھی ہوتے تھے۔عبدالغفور کے چھوٹے بھائی حافظ غلام احمد فروغی نے مظفر حسین صبا کے تذکرہ روز روشن کی تاریخ طبع میں اظہار تعلق کے لیے اپنے نام کے ساتھ نبیسہ سید نجف علی خاں نجف لکھا ہے''۔

سہ ماہی رسالہ ''فکر ونظر'' کا صحیح سن اشاعت

جناب محمد حنیف خان

کسی بھی رسالے کی تاریخ اجرا کی درست معلومات اس لیے اہم ہوجاتی ہے تا کہ اس کے ارتقائی سفر کو دیکھا جا سکے۔ ابتدا میں جب کوئی رسالہ منظر عام پر آتا ہے تو قارئین کے درمیان استناد حاصل کرنے میں وقت لگتا ہے۔ یہ استناد رسالہ کے مقالات ومضامین سے حاصل ہوتا ہے، جس میں کلیدی کردار مدیر یا ایڈیٹر کا ہوتا ہے۔ اگر رسالہ کی صحیح تاریخ اجرا کا علم نہ ہو تو اس کا جائزہ درست طریقے سے نہیں لیا جا سکتا ہے، کیونکہ جہاں ایک طرف ابتدائی شماروں کے محتویات کا علم نہیں ہوگا، وہیں دوسری طرف پہلے مدیر اور اس کے مقاصد کی بابت معلومات نہیں ہوگی، اور نہ یہ معلوم ہو سکے گا کہ اس نے کس طرح سے رسالے کو پروان چڑھایا اور کیسے اس نے قارئین کے مزاج کو پہچانا اور رسالے کو ان کے مزاج کے مطابق بنایا یا پھر قارئین کو رسالے کے مزاج کے مطابق بننے پر مجبور کیا۔ ایسے میں اس بات کا امکان ہے کہ ارتقائی سفر کے جائزہ میں غلطی ہوجائے۔ اب تو نہ صرف رسائل وجرائد کی اشاریہ سازی کو اہمیت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے بلکہ یونیورسٹیوں میں اس طرح کے کام پر پی ایچ ڈی کی ڈگریاں بھی تفویض کی جاتی ہیں۔ ایسے میں ضروری ہے کہ رسائل وجرائد کے ماہ وسن اجرا کی درست معلومات ہوں تا کہ اشاریہ سازی غلطیوں سے پاک رہ سکے اور قاری مطلوبہ مضامین تک بآسانی رسائی پا سکے۔

میرا مطالعہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے علمی، ادبی وتحقیقی رسالہ سہ ماہی ''فکر ونظر'' سے متعلق ہے۔ جس میں تحقیق وتنقید کے ساتھ ہی دوسرے علوم ومباحث پر گراں قدر مضامین شائع ہوئے ہیں جن کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اس رسالہ کے سب سے پہلے مدیر قاضی عبدالغفار تھے، اب شعبۂ اردو

ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ Mob:9359989581

کے سابق صدر پروفیسر سید محمد ہاشم کی ادارت میں یہ رسالہ تشنگان علم وادب کی علمی، ادبی اور تحقیقی پیاس بجھا رہا ہے۔

عام طور سے سہ ماہی ''فکرونظر'' کی اشاعت کا سن ۱۹۶۰ء بتایا جاتا ہے، یہی نہیں خود رسالہ ''فکرونظر'' کے متعدد شماروں کے اداریوں، یہاں تک کہ جنوری ۱۹۶۰ء کے پہلے شمارہ کے اداریہ میں یہی دعویٰ کیا گیا ہے لیکن سچائی اس کے برعکس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فکرونظر کا پہلا شمارہ ستمبر ۱۹۵۴ء میں منظر عام پر آیا تھا، جس کا اداریہ بعنوان ''افتتاحیہ'' قاضی عبدالغفار نے لکھا تھا، اس شمارے کے سرورق پر شمارہ نمبر: ۱، جلی عدد میں رقم ہے۔ البتہ اس کے بعد کے شمارے دستیاب نہیں ہیں اور نہ ہی اس کی اشاعت کی بابت معلومات ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ اس وقت چار ماہی تھا اور ادارہ ادب علی گڑھ کے تحت جاری ہوا تھا اور اگر مان بھی لیا جائے کہ ادارہ ادب کا تعلق مسلم یونیورسٹی سے نہیں تھا پھر بھی جب اسی نام سے ۱۹۵۴ء میں رسالہ شائع ہو چکا تھا تو دیانت داری کی بات یہ تھی کہ اس کا ذکر کیا جاتا مگر جنوری ۱۹۶۰ء والے شمارے میں اس کو بالکل غائب کر کے پہلی اشاعت کا دعویٰ کیا گیا لیکن قاضی عبدالغفار کے افتتاحیہ کے متن سے واضح ہوتا ہے کہ اس کا تعلق یونیورسٹی ہی سے تھا۔ مدیر نے دو جگہ مسلم یونیورسٹی کا نہ صرف لفظ استعمال کیا ہے بلکہ اس سے یونیورسٹی سے اس رسالے کا تعلق بھی واضح کیا ہے:

لکھتے ہیں:

> ''میرے لیے تو صرف یہی حقیقت کامیابی کی ضمانت ہے کہ مسلم یونیورسٹی کی علمی فضا میں چند صاحب فکرونظر دوستوں نے جو کام اپنے ذمے لے لیا ہے اس کے متعلق خوب سوچ سمجھ کر لیا ہے کہ وہ کیا ہے اور کیونکر انجام پائے''۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

> ''مسلم یونیورسٹی کی علمی فضا میں مجھے یقین ہے کہ ''فکرونظر'' کو آب و ہوا اچھی ملے گی اور اس رسالے کے ذریعے سے اس ادارے کے اراکین اردو ادب کی صحیح رہنمائی کر سکیں گے''۔

پہلے حوالہ کے مقابلے دوسرے حوالے میں یونیورسٹی سے رسالے کا تعلق زیادہ واضح ہے۔

مغالطہ کی اصل وجہ یہ ہوئی کہ جنوری ۱۹۶۰ء میں جب ڈاکٹر یوسف حسین خاں کی ادارت میں سہ ماہی ''فکر ونظر'' جاری ہوا تو سرورق کے دائیں جانب جلد ا، جبکہ بائیں جانب شمارہ ا لکھا گیا۔ شمارہ کے اداریے میں مدیر نے چار ماہی ''فکر ونظر'' کی ماقبل اشاعت سے نہ صرف صَرف نظر کیا بلکہ اداریہ میں اس بات کا بھی اعلان کیا کہ یہ پہلا شمارہ ہے۔ اداریہ میں اردو ادب کے فروغ میں علی گڑھ تحریک کے نمایاں کردار کے ذکر کے بعد مدیر لکھتے ہیں:

> ان تمام امور کے پیش نظر بعض احباب کی جن میں بزرگ اور خورد دونوں شامل ہیں کی یہ خواہش ہوئی کہ مسلم یونیورسٹی کی طرف سے اردو میں ایک ایسا سہ ماہی علمی اور ادبی رسالہ شائع ہو جس میں یہاں کے اساتذہ اپنے خیالات پیش کرسکیں اور ان کے علاوہ دوسرے اہل علم کو دعوت دی جائے کہ اپنی فکری مساعی کو اس کے ذریعہ سے منظر عام پر لائیں۔ علم و ادب کے سب موضوع اس رسالے میں پیش کیے جاسکتے ہیں بشرطیکہ ان کا معیار وہ ہو جو کسی دانش گاہ کے مجلّے کے شایان شان ہو بالآخر یہ طے پایا کہ جنوری ۱۹۶۰ء میں اس کا پہلا شمارہ شائع ہو اور اس کا نام ''فکر ونظر'' رکھا جائے۔

اس سے ایسا لگتا ہے کہ فکر ونظر کی پہلی اشاعت جنوری ۱۹۶۰ء ہی میں ہوئی اور پہلی بار ''فکر ونظر'' کا نام تجویز کیا گیا۔ فکر ونظر کے دونوں شماروں کے مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ۱۹۵۴ء والے شمارے کو دانستہ نظر انداز کیا گیا ہے اور جنوری ۱۹۶۰ء کے شمارے میں یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہی پہلا شمارہ ہے، جبکہ ۱۹۵۴ء کے شمارے میں معروف طنز ومزاح نگار رشید احمد صدیقی کا مضمون ''جدید غزل'' اور ۱۹۶۰ء کے شمارے میں ان کا دوسرا مضمون ''اردو کا بنیادی اسلوب'' شامل ہے۔ اسی طرح اسلوب احمد انصاری کا دونوں شماروں میں ایک ایک مضمون شائع ہوا۔ ۱۹۵۴ء والے شمارے میں اسلوب احمد انصاری کا اٹھارہویں صدی کے مشہور ڈراما نگار ابسن (گبسن) کے فن پر (گبسن) کے ہی عنوان سے مضمون ہے۔ جبکہ ۱۹۶۰ء والے شمارہ میں ''یونانی المیہ'' کے عنوان سے مضمون شامل ہے۔

اس کے علاوہ پہلے شمارے میں ڈاکٹر مسعود حسین خاں کی ایک غزل اور ایک مضمون بعنوان ''تخلیق شعر'' شامل ہے۔ جبکہ ۱۹۶۰ء والے شمارے کی ادارت ان کے بھائی یوسف حسین کررہے ہیں۔

لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ محض چھ برس میں پہلی اشاعت ان کے ذہن سے محو ہو گئی ہو یا پروفیسر اسلوب احمد انصاری اور پروفیسر رشید احمد صدیقی ''فکر و نظر'' کی پہلی اشاعت کو بھول گئے ہوں۔ رسالے میں خطوط کا کالم نہیں ہے اس لیے اپریل ۱۹۶۰ء کے شمارہ نمبر ۲ میں ان دونوں اساتذہ کا اشاعت اول کے سلسلہ میں کوئی تبصرہ بھی نہیں ہے۔ اگر یہ کالم ہوتا تو شاید ان کے علاوہ دوسرے قارئین بھی اس جانب توجہ دلاتے۔ یہ بات اس لیے مناسب معلوم ہوتی ہے کہ قاضی عبدالغفار اردو ادب کا کوئی معمولی نام نہیں ہے اور ڈاکٹر عبدالعلیم، اختر انصاری، معین احسن جذبی، ڈاکٹر منیب الرحمٰن، خلیل الرحمٰن اعظمی اور ڈاکٹر مسعود حسین خاں جیسے اہل علم مجلس ادارت کے رکن تھے۔

اس لیے یہ عرض کرنا حق بجانب ہوگا کہ قاضی عبدالغفار کی ادارت میں شائع ہونے والے فکر و نظر کے پہلے شمارے کو نظر انداز کیا گیا تا کہ فکر و نظر کی اشاعت کا سہرا یوسف حسین خاں کے سر بندھے۔ یوسف حسین خاں فکر و نظر کے جنوری ۱۹۶۰ء کے اداریے میں لکھتے ہیں:

> ''جب میں نے وائس چانسلر کرنل بشیر حسین زیدی صاحب سے ''فکر و نظر'' کے جاری کرنے کے متعلق ذکر کیا تو موصوف نے جیسا کہ وہ ہر اچھے کام کی فراخ دلی کے ساتھ حوصلہ افزائی فرماتے ہیں، اس تجویز کو پسند فرمایا اور اس رسالے کی سرپرستی قبول فرمائی۔ جس کے لیے ہم سب موصوف کے شکر گذار ہیں''۔
>
> یہ دلیل اس دعوے کو درست ثابت کرتی ہے۔

چار ماہی ''فکر و نظر'' ستمبر ۱۹۵۴ء شمارے کی موجودگی، اس کے اداریے اور جنوری ۱۹۶۰ء میں شائع ہونے والے سہ ماہی رسالہ ''رسالہ فکر و نظر'' کے اداریے کے تقابلی مطالعے اور جائزے سے ثابت ہوتا ہے کہ ''فکر و نظر'' کا پہلا شمارہ ستمبر ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا تھا اور اس کے پہلے مدیر قاضی عبدالغفار تھے یعنی ''فکر و نظر'' جنوری ۱۹۶۰ء کے شمارہ میں کیا گیا اولیت کا دعویٰ باطل ہے۔ لہٰذا جنوری ۱۹۶۰ء کے شمارے کو پہلا شمارہ اور یوسف حسین خاں کو فکر و نظر کا پہلا مدیر تسلیم کرنا محال ہے۔ ہاں اس میں کوئی کلام نہیں ۱۹۶۰ء سے فکر و نظر کو قانونی اعتبار سے مسلم یونیورسٹی کی ملکیت تسلیم کر لیا گیا۔ آخر میں ان دونوں شماروں کا اجمالی تعارف اور ان کا محاکمہ پیش ہے۔

چار ماہی رسالہ ''فکر و نظر'' ستمبر ۱۹۵۴ء، مدیر قاضی عبدالغفار: یہ شمارہ ۱۶۰ صفحات پر مشتمل

ہے۔سرورق پر مضامین لکھنے والوں کے نام درج ہیں، پھر مجلس ادارت ہے۔جس میں قاضی عبدالغفار، رشید احمد صدیقی، ڈاکٹر عبدالعلیم، اختر انصاری، معین احسن جذبی، اسلوب احمد انصاری، ڈاکٹر منیب الرحمٰن، خلیل الرحمٰن اعظمی اور ڈاکٹر مسعود حسین خاں کے نام شامل ہیں۔اگلے صفحہ پر مضامین کی اشاعت سے متعلق حقوق کا ذکر ہے پھر مضامین کی ترتیب ہے۔شمارہ میں سات غزلیں شامل ہیں جو معین احسن جذبی، ڈاکٹر مسعود حسین خاں، جمیل مظہری، حسن نعیم، اختر انصاری، انجم پرویز اور جاوید کمال کی ہیں اسی طرح فراق کی چند رباعیاں بھی شامل ہیں۔ڈاکٹر عبدالعلیم کا مضمون ''مارکسزم اور ادب'' کے عنوان سے ہے جبکہ جدید غزل کے عنوان سے رشید احمد صدیقی اور خالہ ریچھنی کے عنوان سے ڈاکٹر منیب الرحمٰن کا افسانہ شامل اشاعت ہے۔اسی طرح آل احمد سرور کا مضمون ''جدید اور قدیم اردو ادب مشترک قدریں''، مسعود حسین خاں کا ''تخلیق شعر''، خلیل الرحمٰن اعظمی کا مضمون ''جوش ملیح آبادی'' اور ڈاکٹر محمد حسن کا مضمون ''جدید اردو'' شامل ہے۔''آخری فغاں'' کے عنوان سے ڈاکٹر منیب الرحمٰن کی نظم بھی شامل اشاعت ہے۔جبکہ اداریہ قاضی عبدالغفار نے ''افتتاحیہ'' کے عنوان سے لکھا ہے جس میں انہوں نے ادب اور آرٹ کے فروغ پر زور دیا ہے۔انہوں نے تنقید میں سائنسی نقطہ نظر کی پرزور وکالت کی ہے۔پورا اداریہ اسی نکتے کے اردگرد ہے کہ کس طرح اعلی ادب اور آرٹ کو فروغ دیا جائے اور ایک معیار قائم کیا جائے۔انھوں نے اعلیٰ معیار ہی اس رسالے کے جاری کرنے کا مقصد بتایا ہے۔یہ سارا مواد ۱۴۶ صفحات پر محیط ہے۔جس کے بعد ۱۴۷ پر ''ضروری اطلاع'' کے عنوان سے رسالہ کی اشاعت اور اس کے زرتعاون کی بابت معلومات ہے۔اس کے بعد کتابوں کا اشتہار ہے۔

سہ ماہی رسالہ ''فکر ونظر'' جنوری ۱۹۶۰ء، مدیر یوسف حسین خاں: یہ شمارہ ۱۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔جس میں افتتاحیہ یعنی اداریہ کو چھوڑ کر صرف چھ مضامین شامل ہیں۔ڈاکٹر سید عابد حسین کا مضمون ''جدید مسلک انسانیت''، اسلوب احمد انصاری کا ''یونانی المیہ''، ڈاکٹر نذیر احمد کا ''حافظ شیرازی کے دو قدیم ترین ماخذ''، رشید احمد صدیقی کا ''اردو نثر کا بنیادی اسلوب'' شامل ہیں۔جبکہ ڈاکٹر مختارالدین آرزو نے سرسید کے کچھ غیر مطبوعہ خطوط کے عنوان سے ایک مضمون شائع کرایا ہے اور خلیق احمد نظامی نے کتاب ''حال نامہ بایزید انصاری'' کا تعارف پیش کیا ہے۔

مدیر یوسف حسین خاں نے اپنے اداریے میں ''فکر ونظر'' کی اولین اشاعت کا دعویٰ کرنے

کے ساتھ ہی اردو ادب کے علمی معیار کو بلند کرنا اس کا مقصد بتایا ہے لیکن دو اوصاف مزید بتائے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

> اس رسالے میں ویسے تو ہر قسم کے علمی وادبی مضمون شائع ہوں گے لیکن دو خصوصیات اسی کے ساتھ مخصوص رہیں گی، ایک تو یہ کہ اس کے ہر شمارے میں ہم سید احمد خاں کی کوئی نہ کوئی غیر مطبوعہ تحریر یا کوئی ایسی تحریر جو عرصہ ہوا چھپی تھی اور اب کمیاب ہے شائع کریں گے۔ تاکہ اس ادارے کے بانی کے ساتھ موجودہ نسل کا روحانی تعلق برقرار رہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہوگی کہ یونیورسٹی کے کتب خانے میں جو بیش قیمت اور نایاب قلمی کتابیں ہیں ان میں سے کسی ایک کے متعلق ''فکر ونظر'' کے ہر شمارے میں ایک تعارفی تبصرہ ہوگا۔ اس طرح اہل علم کو اس علمی خزانے سے روشناس کرایا جائے گا جو اس ادارے کو ورثے میں ملا ہے اور جس کی حفاظت اور اشاعت ہمارا فرض ہے۔

''افتتاحیہ'' کے عنوان سے تحریر کے آخر میں بطور دستخط ''یوسف حسین خاں'' درج ہے۔ ۱۲۷ صفحات تک یہ مواد پھیلا ہے جبکہ اس کے بعد ایک صفحہ پر چھپائی اور اشاعت کی تفصیل درج ہے۔ دوسرے صفحہ پر انگریزی میں مسلم یونیورسٹی سے شائع کتابوں کی اشتہاری تفصیل ہے اور آخری صفحے پر یونیورسٹی کی مہر ہے۔

دونوں شماروں کے محتویات پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ قاضی عبدالغفار کی ادارت میں نکلنے والے ''فکر ونظر'' میں تنوع زیادہ ہے کیونکہ اس میں نظم ونثر دونوں کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ نثر کے باب میں افسانوی اور غیر افسانوی دونوں طرح کی نثر موجود ہے۔ یہ بات اور ہے کہ افسانوی نثر میں جو افسانہ شامل اشاعت ہے وہ نہایت کمزور ہے جبکہ غیر افسانوی نثر پر جب نظر ڈالتے ہیں تو وقیع اور اہم مضامین پڑھنے کو ملتے ہیں۔ اسی طرح نظم کے باب میں غزل، نظم اور رباعی جیسی اصناف موجود ہیں۔ یہ تنوع ڈاکٹر یوسف حسین خاں کی ادارت میں نکلنے والے شمارے میں نہیں ہے۔ اگر دونوں شماروں میں شامل صرف رشید احمد صدیقی اور اسلوب احمد انصاری کے ہی مضامین کا تقابلی مطالعہ اور علمی محاکمہ کیا جائے تو قاضی عبدالغفار کی ادارت میں شائع ہونے والے دونوں ادیبوں کے دونوں مضامین ان کے

اپنے ہی ان مضامین سے زیادہ اہم اور وقیع ثابت ہوتے ہیں جو یوسف حسین خاں کی ادارت میں شائع ہونے والے شمارے میں شامل ہیں۔ رشید احمد صدیقی کے مضمون ''جدید غزل'' کی اہمیت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ غزل سے متعلق ان کا مشہور زمانہ قول اسی مضمون کے ابتدائی حصے میں ہے کہ ''غزل کو میں اردو شاعری کی آبرو سمجھتا ہوں''۔ وہ اپنے اس مضمون کا آغاز اس جملے سے کرتے ہیں کہ ''غزل جتنی بدنام ہے اتنی ہی مجھے عزیز ہے''۔ اسی مضمون نے غزل کو نئے تناظر میں دیکھنے کے در وا کیے تھے اور غزل کو عورتوں سے بات کرنے والی صنف تک محدود رکھنے کے بجائے اس کو آفاقی تناظر دیا۔ جبکہ جنوری ۱۹۶۰ء والے شمارے میں رشید احمد صدیقی کا ''اردو نثر کا بنیادی اسلوب'' شامل ہے جو پہلے والے مضمون کے مقابلے کم اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ اسلوب پر تو گفتگو بہت پہلے شروع ہو گئی تھی۔ میر امن کی باغ و بہار اور رجب علی بیگ سرور کے ''فسانۂ عجائب'' کے اسلوب کا علمی محاکمہ پہلے ہو چکا تھا، اس لیے موضوعی اعتبار سے یہ مضمون پہلے والے سے کمتر ٹھہرتا ہے۔ اسی طرح اسلوب احمد انصاری ۱۹۵۴ء والے شمارے میں مشہور ڈراما نگار گبسن پر اسی عنوان سے مضمون ہے۔ اس مضمون سے قبل بھلا گبسن کو کون جانتا تھا؟ نہ تو کوئی اس کے فن سے واقف تھا اور نہ ہی اس کی حیات و خدمات سے، پہلی بار اسلوب احمد انصاری نے اسی شمارے کے ذریعہ اردو والوں کو گبسن سے متعلق بھرپور معلومات دیں اور اس کی ہمہ جہت شخصیت، اس کے جد و جہد اور اس کی فنکاری سے اردو قارئین کو واقف کرایا جبکہ ۱۹۶۰ء والے شمارے میں اس مضمون کے مقابلے کم تر مضمون ''یونانی المیہ'' شامل ہے۔ کیونکہ یونانی المیہ کی ادب میں جو حیثیت ہے وہ آج سے نہیں ہے اور نہ ہی اہل اردو کو پہلی بار اس سے متعلق معلومات ہوئی۔ اس طرح اگر دیکھا جائے تو کسی بھی لحاظ سے ستمبر ۱۹۵۴ء والا شمارہ جنوری ۱۹۶۰ء کے شمارے سے کمتر نہیں ہے بلکہ متنوع اور مضامین کی وقعت کے لحاظ سے بھی بہتر ہے۔

ستمبر ۱۹۵۴ء والے شمارے کو دانستاً نظر انداز کیے جانے کا ایک سبب اور نظر آتا ہے جس کا تعلق نظریے سے ہے۔ قاضی عبدالغفار برائے ادب کے قائل تھے اور انہوں نے اسی کی ہمیشہ وکالت بھی کی ان کا تخلیقی سرمایہ اس کا بین ثبوت ہے۔ اتنا ہی نہیں انہوں نے فکر و نظر کے پہلے شمارے میں اس کی اشاعت کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اس رسالے کے بانیوں کو ادب اور آرٹ میں خوب تر کی تلاش ہے اور ان کی راہ آگے بڑھنے کی راہ ہے، وہ نہ جمود کی راہ ہے اور نہ پیچھے ہٹنے کی''۔

انھوں نے ادب میں زندگی اور اس کے مسائل کی عکاسی سے انکار نہیں کیا ہے بلکہ اعلیٰ ادب و آرٹ پر زور دیا ہے۔ رسالہ کے بانیوں کو ادب اور آرٹ میں خوب تر کی تلاش تھی، اسی لیے اس شمارے میں جہاں نہایت اہم اور نظریاتی اعتبار سے وقیع مضامین شائع کیے گئے وہیں نظم و نثر ہر دو اصناف کی ذیلی اصناف کو بھی شامل کیا گیا۔

اس کے مقابلے جنوری ۱۹۶۰ء کے شمارے میں تحریکی ذہن کارفرما نظر آتا ہے۔ یوسف حسین خاں اپنے اداریے کا آغاز ہی نظریات سے کرتے ہوئے علی گڑھ تحریک اور اس کے بانیان کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''سرسید احمد خاں کے مختلف کارناموں میں ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اردو زبان کو تصنع اور لفظی بازی گری سے نجات دلائی اور اسے سنجیدگی اور حقیقت نگاری سے آشنا کیا۔ جس میں توازن، اعتدال اور فکری آزادی سموئی اور رچی ہوئی ہے''۔

اس اقتباس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں ادب پر نظریہ اور تحریک حاوی رہے گی۔ آخر میں وہ اس بات کا اعلان اس کی خصوصیت بتاتے ہوئے کرتے ہیں کہ اس میں سرسید کی کوئی نہ کوئی غیر مطبوعہ اور اہم تحریر ضرور شائع ہوگی۔ دونوں شماروں میں نظریہ سازی کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے مگر ایک کا تعلق صرف ادب اور آرٹ سے ہے جبکہ دوسرے کا تعلق تحریک سے ہے۔

دونوں شماروں کے نظریاتی محاکمے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نظریات میں تباین کی بنا پر بھی شاید قاضی عبدالغفار کی ادارت والے شمارے کو دانستاً نظر انداز کیا گیا ہے تاکہ قارئین کو یہ نہ معلوم ہو سکے کہ جو شمارہ پہلے شائع ہوا تھا وہ الگ نظریے کا حامی تھا۔

اہم بات یہ ہے کہ فکر ونظر کی پہلی اشاعت سے متعلق صرف فکر ونظر میں ہی حقائق کو نہیں چھپایا گیا ہے بلکہ قاضی عبدالغفار کی حیات وخدمات اور ان کی متعدد تخلیقات کی تفہیم سے متعلق معروف محقق خلیق انجم نے ''قاضی عبدالغفار: ایک ممتاز نثر نگار'' کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی جسے ۱۹۹۴ء میں انجمن ترقی اردو ہند دہلی نے شائع کیا۔ ابتدا میں خلیق انجم نے ''قاضی عبدالغفار۔ سوانحی خاکہ'' شامل کیا ہے۔ جس میں ان کی کتابوں کی تفصیل کے ساتھ ہی ان اخبارات ورسائل کا بھی تذکرہ ہے جن سے وہ کسی بھی حیثیت سے وابستہ رہے مثلاً مراداباد سے شائع ہونے والے ''نیر عالم'' میں ان کے ابتدائی مضامین شائع ہوئے۔ ''ہمدرد'' جس سے انہوں نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز کیا اور بحیثیت نائب مدیر اس سے منسلک ہوئے۔ کلکتہ سے روزنامہ ''جمہور'' اور دہلی سے روزنامہ ''صباح'' جاری کیا جبکہ حیدرآباد سے روزنامہ ''پیام'' شروع کیا۔ ان کی سکریٹری شپ میں انجمن ترقی ہند دہلی کا دوبارہ ''ہماری زبان'' جاری ہوا۔ اسی طرح قاضی صاحب نے انجمن کی ہی جانب سے آل احمد سرور کی ادارت میں سہ ماہی ''اردو ادب'' جاری کیا۔ یہ بھی معلومات اس میں درج ہیں صرف ۱۹۵۴ء میں ان کی ادارت میں نکلنے والے چار ماہی رسالہ ''فکر ونظر'' سے متعلق معلومات اس سوانحی خاکہ میں نہیں موجود ہیں۔ اس لیے یہ خاکہ بھی نامکمل ہی تصور کیا جانا چاہیے۔ ایک بات کی طرف اور توجہ دلانا ضروری ہے کہ قاضی عبدالغفار اپنا پورا نام قاضی محمد عبدالغفار لکھتے تھے جو بعض کتابوں میں بحیثیت مصنف درج ہے اور اسی نام کی دستخط بھی کرتے تھے البتہ بعض کتب میں صرف قاضی عبدالغفار بھی بحیثیت مصنف درج ملتا ہے اور یہی رائج بھی ہے۔ فکر ونظر کے اداریے کے آخر میں محمد عبدالغفار کے نام کی دستخط موجود ہے۔ اس لیے ان دونوں سے مراد ایک ہی شخصیت ہے، نام میں جزوی اختلاف سے شخصیت کے اختلاف کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔

اخبار علمیہ

''فرینکفرٹ اور دبئی کے کتب میلے''

فرینکفرٹ میں ہر سال کتب میلہ منعقد کیا جاتا ہے۔ یہ دنیا بھر میں اپنی الگ پہچان رکھتا ہے۔ گذشتہ سال اس میں سو سے زیادہ ملکوں کے ستر ہزار تین سو ناشرین نے حصہ لیا اور میلہ میں دو لاکھ چھیاسی ہزار افراد نے شرکت کی۔ اس سے اس کی دنیا بھر میں مقبولیت اور پسندیدگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ انتظامیہ کے مطابق جرمن ادب و ثقافت کو فروغ دینے میں اس میلہ کا بہت اہم کردار ہے اور فرینکفرٹ پبلشنگ انڈسٹری کو بھی اس کی بدولت فروغ مل رہا ہے نیز جرمن مصنّفین کو اپنی کتابوں کے سبب شہرت نصیب ہو رہی ہے۔ اس میں دنیا بھر کے مصنّفین و مترجمین شرکت کے مقصد سے آتے ہیں۔ اس سال اکتوبر کے مہینہ میں منعقدہ میلہ میں شرکت کرنے والوں کی اچھی خاصی تعداد رہی۔ رپورٹ کے مطابق تمام مقامی ہوٹل بھر گئے اور قیام کرنے کی جگہ باقی نہیں رہی۔ ہر ملک کے اسٹال کے پاس ہمہ وقت رابطہ کے لیے استقبالیہ دفتر بنایا جاتا ہے جو لوگوں کو شب و روز مکمل معلومات فراہم کرتا ہے۔ انتظامیہ مختلف ممالک کے ناشرین و مصنّفین کے مابین ملاقاتوں کا نظم کرتی ہے، جہاں غیر ملکی پبلیشرز کے ساتھ نئے معاملات طے کیے جاتے ہیں، انگریزی اور غیر ملکی زبان کے شعبوں میں کتابوں کی خرید و فروخت بڑھانے کے لیے نئے کاروباری معاہدوں پر تبادلۂ خیال کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر یہ بات سامنے آئی کہ متعدد ناشرین نے مقامی مصنّفین اور ادب کو اپنے ممالک میں متعارف کروایا ہے۔ ساتھ ہی ان کی کتابوں کے ترجمے کرا کے اپنے ممالک میں شائع کر رہے ہیں، جس کا بہترین ردعمل سامنے آ رہا ہے۔ انتظامیہ کا کہنا ہے کہ لوگ جدید ٹیکنیکل دور میں ہونے کے باوجود اب بھی کتب بینی کا شوق رکھتے ہیں۔

اسی کے ساتھ متحدہ عرب امارات کے شہر دبئی میں دنیا کے سب سے بڑے کتب میلہ کے اختتام کے متعلق بھی خبر دلچسپی سے پڑھی جائے گی۔ عرب میڈیا کی رپورٹ کے مطابق متحدہ عرب امارات کا سیاحتی و تجارتی مرکز ان دنوں دنیا کے سب سے بڑے علمی ذخیرہ کی وجہ سے مرکز توجہ بنا ہوا ہے۔ دبئی میں منعقدہ کتب میلے میں تیس لاکھ سے زائد کتابیں رکھی گئیں جو ۸۰ فیصد رعایت میں کم نرخوں

میں دستیاب تھیں۔ یہ اپنی نوعیت کا مشرق وسطیٰ کا سب سے بڑا کتب میلہ تھا۔ اس سے قبل ۲۰۰۹ء میں ''بگ باڈ وولف'' ملیشیا کے شہر کوالالمپور میں منعقد کیا گیا تھا۔ اس کے بعد ایشیائی ممالک جکارتا، منیلا، سیپو، کولمبو، بنکاک اور تائیوان میں کتب میلوں کا انعقاد کیا گیا۔ دبئی کا یہ کتب میلہ ۱۱ روز تک جاری رہا۔ اس میں تین لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی اور بڑی تعداد میں کتابوں کی فروخت کا یہ میلہ ذریعہ بنا۔ اس میں اماراتی مصنفہ روضہ المری کی کتابیں خوب فروخت ہوئیں۔ ان کا خیال ہے کہ دبئی جیسے جدید اور ترقی یافتہ شہر میں ٹیبلٹ اور کمپیوٹر استعمال کرنے والی نسلِ نو کو مطالعہ کی ترغیب دینے کے لیے اس کا انعقاد بہترین کوشش ہے اور اس کی شدید ضرورت ہے۔ اسی طرح ہم نوجوانوں کے ہاتھوں میں کتابیں دے سکتے ہیں۔ (روزنامہ منصف، حیدرآباد، ۱۸ر نومبر ۲۰۱۸ء، ص ۳)

''ہوا برائے فروخت''

نیوزی لینڈ کی ایک کیویانا نامی کمپنی کی جانب سے پُر فضا ماحول نہ ملنے کی صورت میں تجرباتی طور پر تازہ ہوا کی فروخت کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ ۹۸ ڈالر کے اس اسپرے کے پیک پر یہ اشتہار بھی درج ہے کہ ۲ کے پیک پر ۲۰ فیصد کی بچت کی جاسکتی ہے۔ رپورٹ کے مطابق اس تازہ ہوا کو نیوزی لینڈ کے جنوبی جزیرہ میں برف کی قطار کے اوپر کاشت کرتے ہیں۔ نیوزی لینڈ ہیرالڈ کے مطابق اس کین میں موجود تازہ ہوا نیوزی لینڈ کی اونچی اور سبز پہاڑیوں سے محفوظ کی گئی ہے۔ صحافی ڈامئین کرسٹی نے ٹوئیٹر پر ایک فوٹو شیئر کی ہے اور لکھا ہے کہ ۹۸ ڈالر کا یہ مذاق ٹھیک نہیں ہے۔ (احمد ٹائمز، نومبر ۲۰۱۸ء، ص ۱۴)

''ٹربائن کے نقصانات کی نشان دہی''

نیچر اکولوجی اینڈ اوولیوشن نامی میگزین میں ہوا کے ذریعہ بجلی پیدا کرنے والی مشین ''ٹربائن'' کے نقصانات کے متعلق ایک خبر شائع ہوئی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ کھلے میدانوں میں سینکڑوں کی تعداد میں لگے ان ٹربائنوں کی وجہ سے شکاری پرندے حشرات الارض کا شکار نہیں کر پاتے۔ انہیں غذا نہیں مل پارہی ہے اس سے ان کی تعداد کم اور کیڑے مکوڑوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ

ان حشرات الارض میں سستی اور کمزوری پیدا ہورہی ہے کیونکہ ان کو اپنے دماغ کے لیے بھاگنے دوڑنے کی ضرورت بھی ختم ہوتی جارہی ہے۔ یہ نتائج سال ۲۰۱۲ سے ۲۰۱۴ء تک کے دوران مہاراشٹر کے چلکے وادی علاقہ میں نصب ہوائی ٹربائن پر کی گئی تحقیق سے حاصل کیے گئے ہیں۔ قابل غور اور اہم ترین پہلو اس تحقیق کا یہ ہے کہ سردست ان ٹربائنوں کے استعمال پر کوئی پابندی نہیں ہے اور نہ ہی ماحول کو کثافت اور حشرات الارض اور شکاری پرندوں کی زندگی پر ظاہر ہونے والے منفی اثرات سے بچانے اور ماحول میں قدرتی ہم آہنگی برقرار رکھنے کے لیے ان ٹربائنوں میں کسی مثبت تبدیلی کے متعلق سوچا ہی جارہا ہے۔ (اردو سائنس، ماہنامہ، نئی دہلی، دسمبر ۲۰۱۸ء، ص ۳۰-۳۱)

''انٹرنیٹ کے نظام میں مزید تیزی وارزانی''

امریکی کمپنی بوئنگ نے ۷۰۲ لائن پلیٹ فارم پر مشتمل مصنوعی سیارچے اگلے دو برس میں روانہ کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ ۱۲ سیٹیلائٹس پر مبنی نظام میں مزید سیارچوں کا اضافہ کرنے سے انٹرنیٹ کی رفتار میں تیزی اور اس کی قیمت میں کمی آئے گی اور اس سروس سے ۱۸۰ ممالک کے علاوہ جن ممالک میں انٹرنیٹ کی ناکافی سہولت ہے ان کو کافی، اطمینان بخش سہولت میسر ہوگی اور اس دائرہ میں مزید وہ ممالک بھی شامل کیے جاسکیں گے، جہاں انٹرنیٹ کی سہولت نہیں ہے۔ اس منصوبہ کو O3b یا ''اوتھری بلین'' کا نام دیا گیا ہے جس کا مطلب انٹرنیٹ کے ناکافی یا عدیم الحصول تین ارب افراد کے لیے انٹرنیٹ فراہمی کا منصوبہ۔ اس منصوبہ کا خیال گریگ وائلر (Greg Wyler) کو اس وقت آیا جب وہ افریقی ملک روانڈا میں تھے اور وہاں اس قسم کی نامناسب سہولت کے باعث مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ بعدازاں انہوں نے اوتھری بی منصوبے کا اعلان کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ تیزی سے ابھرتے ہوئے بازاروں میں انٹرنیٹ سہولیات ابھی تک انتہائی محدود ہیں اور بہت جلد ان ممالک میں بھی کئی گیگا بائٹ تک انٹرنیٹ رفتار فراہم ہوگی جو بھلے ہی افریقہ یا بحرالکاہل کے کسی جزیرہ میں ہوں۔ (اخبار مشرق، نئی دہلی، گلدستہ مشرق، ۱۱رنومبر، ص ۹)

ک۔ ص اصلاحی

وفیات

پروفیسر فواد سزکین

(۵)

اشتیاق احمد ظلی

۵۔معہد تاریخ العلوم العربیہ والاسلامیہ

Institute for Gosehichte der Arabisch-Islamichan Wissenchaften:

پروفیسر فواد سزکین نے اپنے بنیادی کام تاریخ التراث العربی کے علاوہ جو دوسرے اہم علمی اور تحقیقی کارنامے انجام دیے ان میں فرینکفرٹ کی گویٹے یونیورسٹی میں ایک عالمی معیار کے معہد العلوم العربیہ والاسلامیہ کی تاسیس کو اولیت کا مقام حاصل ہے۔ یہ ادارہ تاریخ علوم کے میدان میں امامت کے درجہ پر فائز ہے۔ پروفیسر سزکین کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ انھوں نے اتنے بڑے پیمانے پر خالص علمی اور تحقیقی کاموں کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ انہی مقاصد کے حصول اور ان کو زیادہ بہتر طور پر انجام دینے میں مدد فراہم کرنے کے لیے کئی بڑے اداروں کی تاسیس کا کام بھی انجام دیا۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ بڑے محققین کو دوسرے امور سے کم ہی دلچسپی ہوتی ہے۔ پروفیسر سزکین کا شمار ان مستشنیات میں ہوگا جنھوں نے اعلیٰ ترین سطح پر تحقیقات کا کام کرنے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کی انتظامی صلاحیت کا بھی مظاہرہ کیا۔ دراصل علم، سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں مسلمان علماء کے عطایا اور کارناموں کو جن کو یوروپ نے صدیوں سے ایک منصوبہ کے تحت علم و دانش کی دنیا سے چھپا رکھا تھا۔ اپنے تمام تر مضمرات اور عظمت کے ساتھ پھر سے دنیا کے سامنے پیش کرنے کا جو عظیم الشان منصوبہ انھوں نے بنایا تھا وہ اتنا بڑا اور وسیع الاطراف تھا کہ اس کی تکمیل کے لیے کم از کم ایک اعلیٰ درجہ کے اختصاصی ادارہ کا بھرپور تعاون ضروری تھا۔ ان کی غیر معمولی علمی حیثیت اور مرتبہ کے باوجود دوسرے اداروں سے ان کو اتنا تعاون ملنا مشکل تھا جس کی اس طرح کے کام کی تکمیل کے لیے

ضرورت تھی۔ اس سلسلہ میں ان کے ذہن میں جو نقشہ کار تھا اس کے لیے ایک ایسا ادارہ ناگزیر تھا جہاں ان کو اپنے منصوبوں کے مطابق کام کرنے کی مکمل آزادی ہو۔ ایک تو اس طرح کا کوئی ایسا ادارہ کہیں موجود نہیں تھا جو تاریخ علوم کے لیے خاص ہو۔ نیز دوسرے اداروں سے جن پر ان کا انتظامی کنٹرول بھی نہ ہو، اس قسم کے تعاون کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی جس کی ان کو ضرورت تھی۔ اس ضرورت کا احساس تو غالباً ان کو اس منصوبہ پر کام کرنے کے ابتدائی زمانہ میں ہی ہو گیا ہوگا البتہ وقت کے ساتھ جیسے جیسے کام آگے بڑھتا گیا ہوگا اس احساس کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا ہوگا۔ لیکن یہ کام آسان نہیں تھا۔ دوسرے مسائل کے علاوہ اس کے لیے کثیر مالی وسائل کی ضرورت تھی۔ یوروپ میں تو اس طرح کے کسی ادارہ کے منصوبہ کو ناممکن العمل سمجھا جاتا تھا (۱)۔ کچھ اسی طرح کی صورت حال ان کو اس وقت پیش آئی تھی جب انہوں نے تاریخ التراث العربی کا خاکہ یوروپین اسکالرس کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس وقت دوسرے اسکالرس کے خیالات کی ترجمانی کرتے ہوئے مشہور مورخ برنارڈ لیوس نے کہا تھا کہ کوئی ترک مسلمان یہ کام انجام نہیں دے سکتا (۲)۔ عالم اسلام اور بالخصوص عالم عرب جو اس قسم کے کسی منصوبہ کی تکمیل میں مددگار ہوسکتا تھا، اس کو اس طرح کے کام کی ضرورت اور اہمیت کا نہ تو ادراک تھا اور نہ احساس۔ وہ اپنے ماضی کی عظمت اور شوکت سے واقف ہی نہیں تھے، اس لیے فطری طور پر ان کے اندر اس گم گشتہ ماضی کی بازیافت کا کوئی ولولہ نہیں ابھر سکتا تھا۔ پروفیسر سزگین ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو ناسازگار ماحول دیکھ کر ہمت ہار جاتے ہیں۔ ان کو بارگاہ ایزدی سے عزم وحوصلہ، ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کا حظ وافر عطا ہوا تھا۔ وہ اپنی دنیا آپ پیدا کرنے میں یقین رکھتے تھے۔ اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے، کا ان سے بہتر مصداق دور حاضر میں شاید ہی کوئی اور رہا ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ جب انسان کسی کام کا عزم کر لیتا ہے تو اللہ کے فضل وکرم سے اس کے اسباب بھی مہیا ہوجاتے ہیں۔ ایسے کسی ادارے کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ اس کے لیے وسائل کا ایسا انتظام کیا جائے جو سال بسال اس کے اخراجات کی کفالت کرسکے۔ چنانچہ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کے لیے ایک ایسا وقف قائم کیا جائے جس سے اس کی ضروریات کی تکمیل ہوتی رہے۔ جب اس منصوبہ کے خط وخال ان کے ذہن میں واضح ہوچکے اور یہ ارادہ پختہ ہوگیا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ پہلے ڈین کو اپنے اعتماد میں لیں اس لیے کہ اس کی سرگرم مدد کے بغیر یہ کام آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ ڈین کے

متفق ہوجانے کے بعد وائس چانسلر سے بات کرنا ضروری تھا۔ جب انہوں نے یہ منصوبہ وائس چانسلر کے سامنے رکھا تو ان کا ردعمل حوصلہ افزا نہیں تھا۔ ان کو اس منصوبہ سے اختلاف نہیں تھا لیکن ان کو اس کی کامیابی میں شبہہ تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر یہ منصوبہ کامیاب نہ ہوا تو اس سے پروفیسر سزگین کی ساکھ کو نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔ لیکن پروفیسر سزگین وائس چانسلر کو بھی قائل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اب مسئلہ مالیات کی فراہمی کا تھا۔

اسی دوران ۱۹۷۹ میں ان کو فیصل ایوارڈ تفویض ہوا جو عالم اسلام میں نوبل پرائز کے مساوی سمجھا جاتا ہے۔ پھر تاریخ علوم میں ان کی عدیم المثال تحقیقات کی اشاعت عالم عرب میں ان کے وسیع تر تعارف کا ذریعہ بنی۔ اس کے وسیلہ سے عالم عرب کے ارباب حل وعقد، بااثر اور متمول حلقوں میں ان کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ان اسباب کی وجہ سے رفتہ رفتہ ایسے حالات پیدا ہوتے گئے جن کے زیر اثر اس منصوبہ کی تکمیل کے لیے درکار وسائل کی فراہمی کی صورت پیدا ہوئی۔ اس سلسلہ میں پہل کویت کی طرف سے ہوئی۔ اس نے عمارت کی خریداری کے لیے فنڈ فراہم کیا۔ یونیورسٹی کیمپس میں اس مقصد کے لیے ایک عمارت پسند کی جاچکی تھی۔ اس طرح معہد کی تاسیس کی راہ ہموار ہوئی اور ۱۸ رمئی ۱۹۸۲ کو کام کا آغاز ہوگیا۔ اس کے بعد دوسری حکومتوں اور افراد کا تعاون حاصل ہوتا گیا۔ ابتدائی مرحلہ میں تعاون فراہم کرنے والوں میں متحدہ عرب امارات کا نام بھی شامل ہے۔ اس کے ساتھ ہی معہد کی مالی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے وقف قائم کیا گیا۔ یہ ایک عالمی معیار کا ادارہ تھا اور اس سے متعلق تمام انتظامات بھی اسی سطح کے تھے۔ تحقیق کے علاوہ اس معہد کی کارکردگی کے کئی اور میدان بھی تھے۔ یہ ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا پبلشنگ ہاؤس بھی تھا۔ تاریخ التراث کا سلسلہ تو لائیڈن کے مشہور اور قدیم طباعتی ادارے برل سے شائع ہوا کیونکہ جب اس سلسلہ کی اشاعت کا کام شروع ہوا تھا اس وقت تک معہد قائم ہی نہیں ہوا تھا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اس معہد کی تاسیس اسی سلسلہ کی برکات میں شامل ہے۔ معہد کی تاسیس کے بعد اس سلسلہ کے علاوہ وہ تمام کتابیں جو پروفیسر سزگین کی ادارت اور ان کی دلچسپی سے شائع ہوئیں اور جن کی تعداد بہت زیادہ ہے، وہ یہیں سے شائع ہوئیں۔ چنانچہ نہایت مختصر مدت میں معہد نے جتنی اور جس نوعیت کی کتابیں شائع کیں اس کی حیثیت ایک ریکارڈ کی ہے۔ اسی معہد سے ۱۹۸۴ میں پروفیسر سزگین نے مجلہ تاریخ العلوم العربیہ کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا۔ کسی بھی

تحقیقی ادارے کے لیے ایک اچھی لائبریری رگِ جان کی حیثیت رکھتی ہے۔ پروفیسر سزکین نے اس ضرورت کی تکمیل کے لیے یہاں ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی لائبریری قائم کی۔ لیکن اس معہد کا سب سے اہم اور قیمتی شعبہ میوزیم ہے۔ اسے تاریخ التراث کا تکملہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ تاریخ التراث ہی کی طرح یہ بھی بے مثال اور اپنے موسس کے غیر معمولی عزم و حوصلہ کا ایک جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ ان شعبوں کا مختصر تعارف آیندہ سطروں میں پیش کیا جاتا ہے:

۶۔ مجلۃ تاریخ العلوم العربیہ Geschichte-des Arabischen Schrifttum

عربی اور اسلامی علوم کی تاریخ پر طویل عرصہ تک کام کرنے کے دوران انہوں نے غالباً محسوس کیا کہ ان مطالعات کا حلقہ جتنا وسیع ہو چکا تھا اور اس موضوع پر تحقیق کا کام جس سطح تک پہنچ چکا تھا اس کے پیش نظر اب ایک ایسے پلیٹ فارم کی ضرورت تھی جہاں اس موضوع پر کام کرنے والے محققین اپنے نتائج تحقیق پیش کر سکیں اور ایک دوسرے سے شیئر کر سکیں۔ یہ کام ایک اختصاصی مجلہ ہی کے ذریعہ ممکن ہوسکتا تھا۔ شاید اسی احساس کے پیش نظر پروفیسر سزکین نے معہد کی تاسیس کے دو سال بعد ۱۹۸۴ میں مجلۃ تاریخ العلوم العربیہ کی اشاعت کا فیصلہ کیا۔ مجلہ کی اشاعت کی تجویز کا علمی دنیا میں جس طرح خیر مقدم کیا گیا اور جس طرح محققین نے اپنی علمی اور تحقیقی کاوشوں کو اس مجوزہ مجلہ میں اشاعت کے لیے ارسال کیا(۳) وہ اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ اس نوعیت کے ایک مجلہ کی ضرورت عالمی سطح پر محسوس کی جارہی تھی۔ یہ مجلہ معہد العلوم العربیہ والاسلامیہ سے شائع ہوتا تھا اور دنیا بھر میں اپنی نوعیت کا پہلا اور اکیلا مجلہ تھا۔ ۱۹۸۴ میں اس کا پہلا شمارہ شائع ہوا۔ اس پر مدیر کی حیثیت سے پروفیسر سزکین کا نام درج ہے (یصدرہا فواد سزکین)۔ اس مجلہ کی گیارہ ابتدائی جلدیں مولانا آزاد لائبریری میں محفوظ ہیں۔ آیندہ سطور میں مجلہ کے بارے میں جو معروضات پیش کی جارہی ہیں وہ انہی شماروں سے حاصل شدہ معلومات پر مبنی ہیں۔

یہ مجلہ ایک کثیر لسانی سالانہ مجلہ تھا۔ اس میں انگریزی، جرمن، فرانسیسی اور عربی زبانوں میں مقالات چھپتے تھے۔ انگریزی زبان میں مقالات کی تعداد بالعموم زیادہ ہوتی تھی۔ پہلے شمارے میں ۱۳ مضامین ہیں اور سات کتابوں کا تعارف ہے۔ جرمن زبان میں ایک مختصر ادارتی نوٹ ہے جس کا عربی ترجمہ مجلہ کے اخیر حصہ میں دیا گیا ہے۔ اس میں مجلہ کی اشاعت کا پس منظر بیان کیا گیا ہے۔ اس

سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مجلہ میں مقالات کے علاوہ متون کی اشاعت بھی پیش نظر تھی۔ اس ارادہ کا بھی اظہار کیا گیا ہے کہ متون کے انگریزی، جرمن اور فرانسیسی زبانوں میں تراجم کو بھی شائع کیا جائے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مجلہ کے اعلان کے بعد کثرت سے مقالات موصول ہوئے۔ آخر میں عربی زبان میں دو مقالات ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری زبانوں میں شائع ہونے والے مقالات کی عربی زبان میں مختصر تلخیص بھی شامل اشاعت ہے۔ مقالات کی عربی تلخیص اس مجلہ کی ایک خصوصیت تھی اور بعد میں جب کسی وجہ سے عربی مقالات کا سلسلہ بند ہو گیا تو بھی عربی تلخیص کا سلسلہ قائم رہا۔

پہلے شمارے میں عربی سکشن میں دو مقالے ہیں۔ پہلا مقالہ پروفیسر سزکین کا ہے جس میں پہلے کتاب الآثار العلویۃ کا مختصر تعارف و مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد متن کا عکس شائع کیا گیا ہے۔ دوسرا مقالہ پروفیسر سزکین کے ایک رفیق کار عبدالہادی ابوریدہ کا ہے، اس کا موضوع ہے ثلاث رسائل فلسفیہ لجابر بن حیان۔ اس میں بھی پہلے ان رسائل کا تعارف و مطالعہ ہے اس کے بعد متن شامل اشاعت ہے۔

مجلہ کے جو گیارہ شمارے پیش نظر ہیں ان سب میں دوسری زبانوں میں شائع ہونے والے مقالات کی عربی تلخیص شامل اشاعت ہے۔ البتہ عربی زبان میں مقالات کی اشاعت کا معاملہ اس سے کسی قدر مختلف ہے۔ پہلے، دوسرے، چوتھے اور پانچویں شماروں میں عربی زبان میں دو مقالے شائع ہوئے ہیں۔ غالباً منصوبہ یہی تھا کہ ہر شمارے میں دوسری یوروپین زبانوں کے ساتھ ساتھ عربی زبان میں دو مقالات شائع کیے جائیں گے۔ لیکن کسی وجہ سے اس کی پابندی نہیں کی جاسکی۔ چنانچہ تیسرے اور چھٹے شماروں میں عربی زبان میں صرف ایک مقالہ چھپا ہے۔ ساتویں شمارے سے یہ سلسلہ بند ہو گیا البتہ عربی زبان میں مختصر تلخیص شائع ہوتی رہی۔ اسی طرح مجلہ کے پہلے دو شماروں میں مدیر کی حیثیت سے فواد سزکین کا نام چھپا ہے۔ لیکن تیسرے شمارے سے چند معاونین کے نام بھی ان کے ساتھ چھپنے لگتے ہیں۔

مجلہ کے صفحات متعین نہیں تھے۔ علاوہ ازیں عربی اور غیر عربی سکشن کے صفحات کے نمبر شمار بھی الگ ہوتے تھے۔ تمام پیش نظر شماروں میں صفحات کی تعداد مختلف ہے۔ سب سے زیادہ صفحات پہلے شمارے میں ہیں۔ اس کے کل صفحات کی تعداد ۴۱۶ ہے، ان میں سے ۳۳۵ صفحات دوسری زبانوں

کے لیے مخصوص ہیں اور ۸۱ صفحات عربی حصہ کے لیے۔سب سے کم صفحات ساتویں شمارے کے ہیں۔ اس کے صفحات کی کل تعداد ۳۲۴ ہے،عربی سکشن صرف ۱۵ صفحات پر مشتمل ہے جو دراصل تلخیص کا حصہ ہے۔بعد کے شماروں میں یہی صورت حال ہے۔ ۱۴ یا ۱۵ صفحات عربی تلخیص کے لیے مخصوص ہیں باقی صفحات دوسری زبانوں کے لیے ہیں۔

مجلہ کی اشاعت ۱۹۸۴ میں شروع ہوئی تھی۔ یہ سالانہ مجلہ تھا لیکن گیارہ شماروں میں سے تین شمارے دوسال کے مشترکہ شمارے ہیں۔ چوتھا شمارہ ۸۸۔۱۹۸۷ کا مشترکہ شمارہ ہے۔اسی طرح ساتواں شمارہ ۹۲۔۱۹۹۱ کا مشترکہ شمارہ ہے۔ نیز دسواں شمارہ ۹۶۔۱۹۹۵ کا مشترکہ شمارہ ہے۔ یہ مجلہ برابر نکلتا رہا لیکن بعد کے شماروں کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہوسکیں۔ پروفیسر سزکین کی کارکردگی اور ان کے طریقِ کار کے پیش نظر امید یہی ہے کہ مجلہ نے مزید اور بہت کچھ ترقی کی ہوگی۔

۷۔میوزیم: پروفیسر سزکین کے ذہن میں معہد کا جو تخیل تھا اس میں ایک میوزیم کا منصوبہ بھی ابتداء ہی سے شامل تھا (۴) جس میں مسلم علماء کے ایجاد کردہ سائنسی آلات کو نمائش کے لیے رکھا جائے۔اس میوزیم کی حیثیت دراصل تاریخ التراث کے تکمیلی حصہ کی تھی۔ایک میوزیم کے بغیر نہ تو یہ منصوبہ مکمل ہوسکتا تھا اور نہ وہ مقصد پوری طرح حاصل ہوسکتا تھا جو پروفیسر سزکین کے پیش نظر تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی کو مسلمانوں کے شاندار لیکن گم گشتہ ماضی کے آثار ونقوش کی تلاش وجستجو کے لیے وقف کردیا تھا۔ان کی اس مدۃ العمر کی شبانہ روز کی کاوش کے نتائج حیرت انگیز تھے۔انھوں نے جتنی جاں گداز محنت،محبت اور چاؤ سے اس فردوس گم شدہ کے ایک ایک نقش کو دریافت کیا اور اسے دنیا کے سامنے پیش کیا وہ افسانوں اور اساطیر سے بھی زیادہ حیرت انگیز اور ناقابل یقین ہے۔اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انھوں نے ہڈیوں کو گھلا دینے والی جو محنت کی اس میں مسلمانوں کے لیے بڑا سبق ہے۔ سیکھنے، مسلسل سیکھنے اور مدۃ العمر سیکھتے رہنے کی ایک مثال انھوں نے قائم کی۔ یہ میوزیم مسلسل سیکھنے کی اسی جستجو اور نت نئی دریافتوں کی اسی آرزو کا ثمرہ ہے۔انسان اپنی جہد مسلسل سے کیا کچھ حاصل کرسکتا ہے یہ اس کا ایک نمونہ ہے۔ یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس کو دیکھ کر عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے۔اپنی قوم کی سرخ روئی کے لیے،علم وحکمت کے گم شدہ اوراق کی تلاش وجستجو کے لیے ایسی پتّہ ماری اور ایسی جاں فشانی کی کوئی اور مثال دور حاضر میں نہیں اور جب یہ خیال آتا ہے کہ یہ اس کا

اصل کام نہیں تھا تو یقین کرنا پڑتا ہے کہ جس شخص نے یہ سب کر دکھایا وہ بلاشبہہ نادرۂ روزگار تھا۔

پروفیسر سزگین سے پہلے ایک جرمن سائنس داں ایلہارڈ ویڈمن (Elhard Weidemann) نے بیسویں صدی کے ابتدائی برسوں میں مسلمان علماء کے بنائے ہوئے آلات کے ماڈل بنانے کی ایک کوشش کی تھی۔لیکن ۱۹۰۰ سے ۱۹۲۸ کے تقریباً تین عشروں پر محیط اس طویل عرصہ میں وہ صرف پانچ ماڈل بنانے میں کامیاب ہوئے۔فنی لحاظ سے بھی یہ ماڈل کچھ زیادہ اطمینان بخش نہیں تھے۔لیکن اہل یوروپ کے طرز عمل کے برعکس پروفیسر سزگین نے نہ صرف اس میدان میں ان کی اولیت کا اعتراف کیا بلکہ ان کے بنائے ہوئے ماڈل کی فنی کمیوں کی تاویل بھی یہ کہہ کر کرنے کی کوشش کی کہ اس زمانہ میں اس قسم کے کسی کام کے لیے مناسب سہولتیں دستیاب نہیں تھیں۔(۵)

اس راہ کی مشکلات سے وہ بخوبی واقف تھے اس لیے ابتداء میں انہوں نے اپنے سامنے کوئی بڑا ہدف نہیں رکھا۔شروع میں ان کا ارادہ ۲۰۔۳۰ ماڈل بنانے کا تھا(۶)۔اگر جرمن سائنس داں کے تجربہ کو سامنے رکھا جائے تو یہ تعداد بھی کچھ ایسی کم نہیں تھی۔لیکن جب انہوں نے یہ کام شروع کیا تو پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔بالآخر وہ ۸۰۰ ماڈل بنانے میں کامیاب ہوئے(۷) جو اس کام کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے بلاشبہہ ایک بہت بڑی تعداد ہے۔یہ تو شاید ان کے حاشیہ خیال بھی نہیں رہا ہوگا کہ وہ اتنی بڑی تعداد میں ماڈل بنانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔کثیر مالی وسائل کے علاوہ اس کے لیے غیر معمولی عزم وحوصلہ کی ضرورت تھی۔جو ماڈل بنائے گئے تھے ان کے اصل نمونے تو دست برد زمانہ کی نذر ہو چکے تھے۔ان میں سے کچھ ایسے تھے جن کی ڈرائنگ یا تصاویر پرانے مخطوطات میں دستیاب تھیں۔ان کی مدد سے ان آلات کے ماڈل بنانا نسبتاً آسان تھا۔لیکن زیادہ تر ماڈل ایسے تھے جن کا مخطوطات میں صرف ذکر ملتا ہے(۸)۔ان کی صرف لفظی صورت گری دستیاب تھی۔اگرچہ اس نوع کی زیادہ کتابیں بھی ضائع ہوچکی تھیں لیکن خوش قسمتی سے بعض ایسی کتابیں تلف ہونے سے بچ گئیں تھیں جن میں کثرت سے مختلف النوع آلات کا ذکر محفوظ ہے۔ان کتابوں سے اس کام میں بہت مدد ملی۔ابوالقاسم الزہراوی کی کتاب التصریف، الجزری کی الجامع بین العلم والعمل اور ابوالحسن المراکشی کی کتاب جامع المبادی والغایات کتابوں کی اسی قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔اس کے باوجود یہ کام آسان نہیں تھا۔جن آلات کے بارے میں تفصیلات صرف لفظی تصویر کشی تک محدود تھیں، ان کی مدد سے ان

کا اسکیچ تیار کرنا اور پھر ان کے ذریعہ سے ان آلات کی تخلیقِ نو سخت دشوار اور صبر آزما کام تھا۔ پھر ایسے افراد کی جستجو جو اس کام کو عملی جامہ پہنانے کی صلاحیت رکھتے ہوں کوئی آسان کام نہیں تھا۔ مختلف فنون سے متعلق آلات کو تیار کرنے کے لیے درکار باصلاحیت افراد کسی ایک شہر اور ملک میں نہیں مل سکتے تھے۔ نیز اس کے لیے وسیع پیمانے پر مالی وسائل کی فراہمی کا مسئلہ بھی بہت اہم تھا، غرض اس سلسلہ کے تمام مراحل ایک دوسرے سے زیادہ مشکل اور دشوار تھے۔

یہ آلات اسلام کے عہد زریں سے تعلق رکھتے ہیں جو بالعموم نویں صدی عیسوی سے سولہویں صدی عیسوی تک مانا جاتا ہے۔ مسلمان علماء نے کئی آلات کے فن کو اپنے پیش رووں سے سیکھا، ان میں بہت کچھ اضافے کیے اور ان کو پہلے سے بہت بہتر بنایا۔ مزید براں جو بے حد وحساب آلات اور مشینیں انہوں نے خود ایجاد کیں اور ان کی تخلیق میں جس اعلیٰ درجہ کی مہارت، نفاست اور کمال فن کا مظاہرہ کیا اس کو غیر معمولی کہنا بھی معمولی بات ہے اور اس سے صحیح صورت حال کی تصویر کشی نہیں ہوتی۔ اس میوزیم میں رکھے ہوئے آلات اور مشینوں کے ماڈل کو دیکھنے سے سائنس اور ٹکنالوجی کے ارتقاء کا پورا منظر نامہ اس طرح سامنے آجاتا ہے کہ اس میدان میں مسلمان علماء اور محققین کے عطایا کا انکار ممکن نہیں رہ جاتا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک تصویر جس قدر موثر انداز میں کوئی داستان بیان کردیتی ہے اسے سینکڑوں صفحات میں بھی اس طرح بیان نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں تو معاملہ تصاویر سے بھی آگے ماڈلس کا ہے اور وہ بھی سینکڑوں سے متجاوز۔ عہد وسطیٰ میں مسلمان علماء کے بنائے ہوئے سائنس اور ٹکنالوجی سے متعلق آلات کے ماڈل ایسا محیر العقول منظر پیش کرتے ہیں کہ دیکھنے والے پر دہشت کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ یہ امر بذات خود کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ اتنی بڑی تعداد میں سائنسی آلات اور مشینوں کو پرانی کتابوں کے بوسیدہ اوراق سے نکال کر جہاں وہ صدیوں سے دفن تھے، ایک نئی زندگی دے دی گئی ہے اور اب وہ وہاں آنے والوں کو دعوت نظارہ دے رہے ہیں۔ ایک عظیم تہذیب اور ایک شاندار ورثہ جس کو اس طرح دفن کردیا گیا تھا کہ آیندہ نسلوں کو ان کی جھلک بھی نظر نہ آئے، اس کو اس طرح پیش کردینا کہ اس کے تابناکی سے آنکھیں خیرہ ہوجائیں ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی کوئی مثال نہیں۔ یہ دراصل پروفیسر سزگین کی تاریخ التراث العربی کا عملی اظہار ہے جسے دیکھا اور محسوس کیا جاسکتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ دیکھنا یقین کرنا ہے۔

اس میوزیم میں جن آلات اور مشینوں کے ماڈل رکھے گئے ہیں ان کا تعلق سائنس اور ٹکنالوجی کے تقریباً تمام شعبوں سے ہے۔ اصطرلاب، گلوب، رصد گاہیں، پلینیٹریم، فلکیات سے متعلق آلات، مختلف النوع قسم کی گھڑیاں اور وقت کو ناپنے والے آلات، آپٹکس، واٹر لفٹنگ مشینیں اور واٹر ٹکنالوجی سے متعلق دوسرے آلات، سمت شناسی سے متعلق آلات، فزکس سے متعلق آلات، سمندروں میں سمت شناسی سے متعلق آلات اور کمپاس، جیومیٹری سے متعلق آلات، فن تعمیرات کے ماڈل، قدیم فنی نمونے، شیشہ اور چینی مٹی کے برتن، دوا کشید کرنے کے آلات، تنور، فلاسک، دوائیں رکھنے کی شیشیاں اور نہ جانے کیا کیا۔ ان میں کچھ اصل آلات بھی ہیں۔ ان میں نمایاں ترین مقام المامون (۷۸۶-۸۳۳) کے زمانے کے گلوب کا ہے۔ اس پر ایک نقشہ بنا ہوا ہے جو اس وقت تک کی معلوم دنیا کی صحیح عکاسی کرتا ہے۔ فلکیات کے مشہور ماہر ابوالحسن عبدالرحمٰن صوفی (متوفی ۹۵۶) کا بنایا ہوا پلینیٹریم، پانی نکالنے کی مشین اور پانی کی گھڑیاں جن کو عثمانی اسکالر تقی الدین شامی (۱۵۲۶-۱۵۸۵) نے بنایا اور دنیا میں پایا جانے والا پہلا دبابہ (۹)۔ بلا مبالغہ میوزیم دیکھنے والوں پر سحر طاری ہو جاتا ہے خاص طور سے یوروپ کے زائرین دہشت اور صدمہ کی کیفیت کے شکار ہو جاتے ہیں (۱۰)۔ ساتھ ہی بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں مسلمانوں کے بارے میں جن کے نظریات بدل جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی علم دشمنی کی جو شبیہ صدیوں کی محنت اور عیاری سے بنائی گئی تھی اس کے تار و پود بکھر جاتے ہیں۔

فیض روح القدس ارباز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آں چہ مسیحا می کرد

(باقی)

حواشی

(۱) مکتشف الکنز المفقود، ص ۵۷۔ (۲) نفس مصدر، ص ۴۹-۴۶۔ (۳) اداراتی نوٹ، مجلہ تاریخ العلوم العربیہ، ۱۹۸۴۔ (۴) مکتشف الکنز المفقود، ص ۵۸۔ (۵) نفس مصدر، ص ۶۰۔ (۶) نفس مصدر، ص ۶۱۔ (۷) نفس مصدر، ص ۶۱۔ (۸) نفس مصدر، ص ۶۲-۶۱۔ (۹) نفس مصدر، ص ۶۳۔ (۱۰) نفس مصدر، ص ۶۴۔

مولانا اسرار الحق قاسمی

(۱۹۴۳ء-۲۰۱۸ء)

دسمبر ۲۰۱۸ء کا معارف قریب چھپ چکا تھا کہ یہ خبر آئی اور ایک خلقت کو تڑپا گئی کہ مولانا اسرار الحق قاسمی اپنے خالق و مالک رب کریم سے جا ملے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ۷/دسمبر، شب جمعہ، وقت تہجد، باوضو، نماز کے لیے تیار کہ وقت موعود آ پہنچا جس کا اسی مومنانہ شان سے استقبال کیا کہ

چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

مولانا قاسمی کا ماتم جس طرح ہوا وہ دنیا میں اور دنیا والوں میں ان کی مقبولیت اور ان کی شخصیت کی ہمہ گیری کا ایسا اعتراف ہے جس کی مثالیں بس شاذ و نادر ہی ملتی ہیں۔ ۱۵/فروری ۱۹۴۳ء میں وہ کشن گنج بہار کے ایک گاؤں تارابائی پٹو میں پیدا ہوئے اور قریب چھہتر سال زندگی کا سفر طے کر کے اسی آبائی گاؤں کی خاک کا حصہ بن گئے۔

مولانا کی زندگی کا یہ سفر اپنے بعض مقامات و منازل کی وجہ سے بڑا منفرد اور جداگانہ شان کا حامل بن گیا۔ دارالعلوم دیوبند کی تعلیم اور بعض مقامی مدرسوں میں تدریس سے ان کی عملی زندگی کا آغاز ہوا، لیکن خدا جانے وہ کون سا حوصلہ تھا اور دل و دماغ میں وہ کیسے عزائم تھے کہ بظاہر ایک سادہ سا انسان، جب اس دنیا سے رخصت ہوا تو لوگوں کی نظروں میں ابوالمحاسن سجاد، مولانا حفظ الرحمٰن اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسی شخصیتوں کے عکس لہرانے لگے۔

جمعیت علمائے ہند، ملی کونسل جیسے ملی اداروں میں ان کی موجودگی غیر متوقع نہیں رہی، لیکن ہندوستان کی پارلیمنٹ میں انتخاب کے ذریعہ ان جیسے عالم کا شان سے پہنچنا، بہتوں کے لیے حیرت و استعجاب کا سبب ضرور رہا۔

حیرت اس پر کہ آج کے دور میں سیاست کی دنیا کے ماہروں اور شاطروں کو ایک بظاہر نہایت سادہ اور عہد جدید کی سیاست کے ہر حربہ سے مبرّا انسان نے کیسے ناکامی کا احساس کرا دیا؟ قریب سے دیکھنے

والوں کے لیے اس سوال کا جواب کوئی راز کی بات نہیں، یعنی وہی مقصد کا تعین اس کے لیے ہمہ تن جدو جہد، ایسی جدو جہد جو سود و نفع کے حساب سے بالاتر ہو، جہاں ذاتی مفاد کی آہٹ تک نہ ہو، جہاں اجر اور بدلہ کے لیے صرف اپنے رب پر نظر ہو، اور جہاں صرف اپنے جیسے انسانوں کی فوز و فلاح کا سودا، سر میں سمایا ہو۔

مولانا کی ایک تنظیم ملی فاؤنڈیشن کا ذکر کیا جاتا ہے، یہ گویا مولانا کے خواتیم اعمال سے ہے، جب وہ کئی مشہور اداروں سے نم ناک ہو کر باہر آئے اور تعلیم کے فروغ پر یکسو ہوئے تو خدا جانے کتنے اسکول، مدرسے، غریب اور پس ماندہ بچوں اور بچیوں کے لیے بناتے چلے گئے۔ غربت اور پس ماندگی کی لعنتوں کا مطلب اگر شہروں کی دنیا میں سمجھنا ہے تو یو پی، بہار اور بنگال کے دور افتادہ علاقوں کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ ان کی عملی زندگی کی ایک اور تاب دار جھلک ان کے خامہ و قلم کی صریر اور کھنک ہے، جو ان کی کئی کتابوں اور رسالوں کا پتہ دیتی ہے۔ لیکن انہوں نے ملک و ملت کے معاملات و مسائل پر جس تسلسل، استقامت اور استقلال سے اظہار خیال کیا وہ ان کے ایک راوی کے بقول دس ہزار مضامین پر مشتمل ہے۔ شاید ہی اردو کا کوئی موقر اخبار و رسالہ ہو جس نے ان کے خیالات کو اپنے صفحات میں جگہ نہ دی ہو، آسان زبان میں مسائل کو سمجھانا اور پھر ان کا اصل حل پیش کرنا اور لہجہ وہی صوفیانہ و ناصحانہ کہ آشیانہ خود بخود دل کی دنیا میں بن اور بس جائے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی ایک شاخ کشن گنج میں قائم کرنے کے لیے سینکڑوں ایکڑ زمین ہموار کی، دیکھا جائے تو پوری زندگی بلند مقاصد کے لیے وقف ہوگئی۔ مسلم یونیورسٹی، دارالعلوم دیوبند، دارالمصنّفین جیسے تعلیمی و علمی ادارے، اپنے مسائل کے لیے ان کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کے لیے ان کی طرف نظر کرتے تھے، باقی مسلم پرسنل لا بورڈ، امارت شرعیہ کی تو وہ ضرورت ہی تھے۔

دارالمصنّفین کے وہ رکن ہوئے لیکن مجلس انتظامیہ کے جلسوں میں وہ اپنی ناگزیر مصروفیتوں کی وجہ سے شریک نہ ہو پاتے، لیکن جب بھی فرصت ملتی وہ ضرور تشریف لاتے اور ہمیشہ اپنی سادگی، تواضع، منکسر مزاجی کا نقش گہرا کر جاتے، ان کے ایثار، قربانی، قناعت کی تو ایک داستان ہے۔ اس کو سننے اور سنانے کی ضرورت ہے۔ مدرسہ کی چٹائیوں، حجروں کے ٹاٹوں سے لے کر خانقاہوں میں مراقبوں اور پارلیمنٹ کے ایوانوں میں گونجنے والی آوازوں کے ادراک و اعتراف کی ضرورت ہے۔ اس آئینہ بلکہ آئینہ خانے میں ان چہروں کو بھی دیکھنے کی ضرورت ہے جن پر مذہب، قوم، خدمت کے رنگ برنگے غازے، تجریدی آرٹ کی یاد دلاتے رہتے ہیں۔ مولانا قاسمی اب اپنے رب کے حضور ہیں۔ وہ رخصت ہو گئے اور ہماری زبان پر وہی پامال لیکن سچی بات آگئی کہ ؏ ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی۔ ع۔ص

ادبیات

جناب جمیل مانوی*

بکھری ہوئی ہے ہر طرف روشنی حسنِ ذات کی
میری نظر کی راہ میں گرد ہے ممکنات کی

آخرِ کار جذبِ دل عرشِ بریں تک آگیا
جیسے تھیں آخری حدیں قربِ تجلیات کی

عقل و دل و نگاہ سب اس کے حضور باادب
حرف و صدا بھی گم تمام، پھر بھی کسی نے بات کی

دھرتی پہ پھول آسماں تاروں سے جگمگا اٹھا
یہ تو ادائیں ہیں مرے خسروِ کائنات کی

تم سے تمام نغمگی تم سے تمام دلکشی
تم سے تمام دھڑکنیں سینۂ کائنات کی

حسن بکھر بکھر گیا راہ سنور سنور گئی
جب بھی تری نظر اٹھی بزم سجی حیات کی

چاہے نظر نہ آسکے چاہے خبر نہ ہوسکے
اور بھی ہے وجہ کوئی گردشِ کائنات کی

ہجر و وصال کے تمام مرحلے ساتھ ساتھ تھے
پوچھو نہ کیسے دن کٹا پوچھو نہ کیسے رات کی

موجیں اٹھیں تو دور تک ساتھ بہا کے لے گئیں
دل نے تباہ کردیا تم نے جو ہنس کے بات کی

گویا ہمارے سامنے مقصدِ زندگی نہ تھا
زلفیں سنوارتے رہے کعبہ و سومنات کی

جانِ جمیلؔ زندگی کٹنے کو کٹ گئی مگر
تیرے بغیر روشنی بجھنے لگی حیات کی

---

*سہارن پور۔

غزل

جناب وارث ریاضی

حریفوں سے ملتا ہوں میں عاجزی سے
خلوص و محبت سے ، سنجیدگی سے

جفا سے تری ، حسن ہے زندگی کا
سکونِ دل و جاں تری برہمی سے

بہت ہے نگاہِ کرم گاہے گاہے
مگر ربطِ محکم رہے بے رخی سے

غمِ زندگی کے فسانے ہیں دل کش
ترے زلف و رخسار کی دلکشی سے

مرے ظرفِ دل پر تحیر ہے ان کو
کہ سہتا رہا ہر ستم خامشی سے

حصارِ غمِ ضو فشاں سے نکل کر
اندھیرے میں ہم آگئے روشنی سے

بہ جز حسنِ اظہارِ دردِ تخیل
ملا کیا جہاں میں مجھے شاعری سے؟

سلامت رہے جذبۂ جورِ پیہم
کہ ملتا ہے درسِ تحمل اسی سے

دمِ واپسیں کیا وہ آئیں گے وارثؔ؟
عبث منتظر ہو بڑی بے کلی سے

کاشانۂ ادب، سکٹا دیوراج، پوسٹ بسوریا، وایا لوریا، مغربی چمپارن، بہار ۸۴۵۴۵۳۔

مطبوعات جدیدہ

بحر زخار (جلد اول): از شیخ وجیہ الدین اشرف لکھنوی، مترجم مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، قدرے بڑی تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۶۸۸، قیمت درج نہیں، پتہ: کمال بک ڈپو، شمس العلوم، گھوسی، مئو، یوپی اور دہلی و مبارک پور کے متعدد مکتبے۔

حضرات صوفیہ وصلحاء کے تذکرے، اسلام کی تاریخ علوم وفنون کا نہایت اہم حصہ ہیں، ان کی اہمیت کو یہ کہہ کر بیان کیا جاتا ہے کہ چونکہ ان نیک بندوں کو قرب حق حاصل تھی اور اسی قرب کی برکت سے انہوں نے اسلامی معاشرہ میں روحانی انقلاب برپا کیا، معرفت سلوک کے درجہ کمال تک پہنچنے کے ساتھ دین ودنیا کی سرفرازی کا بھی وہ سبب بنے، اسی لیے ایسے نفوس قدسیہ کے ذکر کو بھی دوام حاصل ہوا۔ اس کتاب کے فاضل مترجم نے مقدمہ میں کشف المحجوب، سیر الاولیا، سیر العارفین، اخبار الاخیار وغیرہ متعدد کتابوں کے ذکر کے بعد زیر نظر کتاب کا ذکر کرکے گویا اس سلسلۂ زریں کے استمرار واستحکام کو ثابت کیا ہے۔ شیخ وجیہ الدین اشرف اس تذکرہ کے مولف ہیں۔ بانسہ شریف کے شاہ عبدالرزاق سے ان کے خاندان کا روحانی تعلق تھا، ان کے سوانح کم ملتے ہیں لیکن جو ہیں ان کو فاضل مترجم نے پیش کردیا ہے۔ دیکھا جائے تو اصل کتاب ہی پر توجہ ہے جو سوا دو سو برس پرانی ہے۔ قریب پانچ ہزار بزرگوں کے احوال پر مشتمل یہ تذکرہ اپنے نام کا سچا اظہار ہے کہ واقعی یہ بحر زخار ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ سے شیخ علی احمد صابر کلیری تک اس بحر کی موجیں رواں دواں ہیں۔ صحابہؓ، تابعین اور مختلف زمانوں کے بزرگوں کے احوال کو الگ الگ لجوں، نہروں، رود اور موجوں میں تقسیم کیا ہے۔ انداز واسلوب بھی عجب دلآویز اور نرالا ہے، کہیں کہیں تو القاب وآداب اس طرح دیے گئے ہیں کہ صاحب القاب کی زندگی کا پورا عطر ان میں آجاتا ہے، جیسے حضرت حسنؓ کے تذکرہ کا آغاز یوں ہے کہ ''فیروز منقوش اسم ذات زمرد موحد ارسایر صفات، شفیق امت بدرد ومحن، امیر المومنین حضرت امام حسنؓ''۔ حضرت حسینؓ کی موج اس طرح اٹھی ہے کہ ''مطلع صبح سعادت، شفق شام شہادت، یاقوت قوت قلوب ضعیفاں، کبریت احمر مس معصیت عاصیاں، دستگیر اہل مشرقین بکونین، امیر المومنین حضرت ابوعبداللہ الحسینؓ''۔ لجہ دوم میں واقعہ کربلا کا ذکر

زیادہ تفصیل سے ہے۔ائمہ اثنا عشر کا تذکرہ بھی خوب ہے،امام محمد تقی کے بارے میں ابتدائی القاب اس طرح ہیں ”فروغ دولت امامت، طوع شفاعت، عاصیان عرصۂ قیامت، حاجت روائے ہر ملتجی، امیر المومنین حضرت امام محمد تقیؓ“۔لکھا کہ ”آپ کے مناقب میں یہی ایک کلمہ کافی ہے کہ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے وقت مدینہ سے طوس کا سفر بطریق طی الارض کیا یعنی مدینہ سے طوس تک ایک قدم میں پہنچ گئے زمین ان کے لیے سمیٹ دی گئی۔دلچسپ ودل فریب حکایات جگہ جگہ، میں اور تذکروں کی یہی شناخت بھی ہے۔فاضل مترجم داد کے لائق ہیں کہ ایسی ضخیم کتاب جواب مخطوطہ کی شکل میں چند جگہوں پر رہ گئی تھی، اس کا ایک نسخہ خانقاہ رشیدیہ سے حاصل کیا،مخطوطات کے متن کی قرأت ہی کیا کم دشوار طلب کام ہے، پھراس کا ترجمہ اور وہ بھی اس درجہ سلیس ورواں کر کے اردو دنیا سے روشناس کرانا ہر طرح تحسین وتبریک کے لائق ہے۔صوفیائے کرام ہی نہیں قرن اول سے علماء،محدثین،فقہاء کا یہ تذکرہ، حقیقتاً ایک بحر زخار کی کامیاب غواصی ہے،کرامت کہنے میں کیا حرج کہ ایک شخص نے ہزاروں صفحات میں ایک تاریخ سمیٹ لی اور ڈھائی سو برس بعد ایک حوصلہ مند نے اس کو ایسا اردو قالب عطا کیا کہ بجائے خود یہ کتاب ایک نئے سمندر کی یافت میں بدل گئی،ایسی ضخیم کتاب کی طباعت کا بار فاضل مترجم کے مدرسہ کے طلبہ نے اٹھایا، یہ خود ایک اچھی اور مثالی کوشش ہے۔

کلیسا (یورپ کی مذہبی واخلاقی تاریخ): از مولانا محمد نفیس خاں ندوی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد، صفحات ۴۴۸، قیمت: ۳۰۰/روپے، پتہ: ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی اور لکھنؤ کے مشہور مکتبے۔

یورپ اور پھر امریکا نے گزشتہ دوسو برس سے دنیا کے امن چین کو جس طرح پامال کیا اور فوجی و عسکری استعمار کے ساتھ فکری ونظری نوآبادیاتی تسلط برپا کیا۔اس کے نتائج بد میں سب سے تکلیف دہ یہ حقیقت ہے کہ تہذیب وثقافت کے نام پر ان غارت گر اقوام نے گویا دنیا کی عقل وفہم کو اسیر ومسحور کرلیا۔ دیکھتے دیکھتے خیر وشر کے پیمانے کچھ سے کچھ ہو گئے۔قدروں میں جب توازن واعتدال نہ رہا تو ہونا وہی تھا جو آج سامنے ہے اور اس کا بڑا بلکہ بہت بڑا سبب مسیحیت کا مذہبی تعصب ہے جس کا نشانہ پہلے بھی اور آج بھی اسلام ہے۔یہی وہ احساسات ہیں جن کی وجہ سے یہ کتاب لکھی گئی اور بڑے سلیقہ سے لکھی گئی،یعنی عیسائیت کے مصادر عہد نامہ عتیق وجدید سے اناجیل اربعہ کے تعارف کے ساتھ عیسائیت کا

پس منظر، حضرت عیسیٰؑ کے بعد عیسائیت کی تدوین و اشاعت، کلیسا اور اس کی حکمرانی، مسیحیت کا دور ظلمات، کلیسا کی اخلاقی تصویر، عورت، رہبانیت، معاشرہ، مظالم، یورپ کی نشاۃ ثانیہ، اس کی عقلیت پسندی، نظریہ قومیت وغیرہ وغیرہ عناوین کے تحت بحث کی گئی اور یہ سب ایک مربوط اور منطقی اسلوب کے ساتھ، بڑی حد تک اصل مصادر سے رجوع کرکے، اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ اس موضوع پر یہ کتاب ایک ممتاز درجہ کی حامل ہے۔

سید سلیمان ندوی کا ترک وطن، اسباب وحقائق: از ڈاکٹر سید ارشد اسلم، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۱۶۰، قیمت: ۲۵۰/روپے، پتہ: تاج بک ڈپو، اقرا مسجد، مین روڈ، رانچی اور بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ۔

ایک سو ساٹھ صفحات کی اس کتاب میں قریب ستر صفحات تعارفی تحریروں اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کے جامع سوانح پر مشتمل ہیں۔ کتاب کے اصل موضوع کی اہمیت کے پیش نظر یہ ترتیب ضروری بھی تھی، اصل موضوع وہی ہے جو کتاب کا عنوان ہے۔ دارالمصنّفین کی تاسیس، اس کے عروج اور رسالہ معارف کی جہاں گیری و شاہ جہانی کی تاریخ، دوسرے الفاظ میں مولانا سید سلیمان ندویؒ کی تاریخ ہے، لیکن ادارہ ہو یا اشخاص، ان کے وجود میں اختلاف ومخالفت، رشک وحسد اور کمتری و برتری کے امراض سے انکار نہیں کیا جاسکتا، سینوں سے کینوں کا دور ہونا، جنت کی نعمتوں میں یوں ہی شمار نہیں کیا گیا، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ایسے امراض کی موجودگی، بہرحال اذیت ناک ثابت ہوتی ہے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ کے دور آخر میں بھوپال کا ان کا قیام اور دارالمصنّفین سے گویا ترک تعلق، پھر پاکستان اور پھر ہندوستان میں ان کی آمد اور اپنے ہی گھر میں خود کو مہمان کی صورت دیکھنے کا کرب، یہ سب سید صاحب کی زندگی کی سچائیاں ہیں، لیکن حیات سلیمان پر داد تحقیق دینے والوں کے لیے اس کی تفصیل، طویل اور ناخوش گوار ہی رہی اور جب قصہ کرب وبلا کے دوران کردار بھی دنیا میں نہ رہے تو بہتر یہی سمجھا گیا کہ قلم اس موڑ پر آکر اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہوجائے۔ مگر دارالمصنّفین اور سید صاحب دونوں کا مطالعہ اور تجزیہ کرنے والوں کو خلش بہرحال رہی کہ حقیقت تھی تو کیا؟ عبداللطیف اعظمی مرحوم نے اسی لیے ایک تحریر میں یہ سوال اٹھایا، بعد میں ایک صاحب فکر یعنی مولانا وحیدالدین خاں نے کئی سوالات

اور بھی اٹھائے کہ دارالمصنّفین چھوڑنا کوئی سادہ بات نہیں تھی، یہ خود اپنی بنائی ہوئی تاریخ کو چھوڑنے کے ہم معنی تھی، ان کے نزدیک استقامت اس میں تھی کہ ذاتی شکایت کی بنا پر ادارہ کو نہ چھوڑا جاتا، کچھ آوازیں محققین کی بھی بلند ہوئیں کہ سید صاحب نے جب کئی اہم اور پرکشش عہدوں کو مسترد کردیا تو پھر بھوپال کی پیش کش کیا محض مال وجاہ کی آسودگی کی وجہ سے قبول کی، ابوعلی اثری تو خود ہی دارالمصنّفین کی چشم دید تاریخ کا درجہ رکھتے تھے وہ ہمیشہ کہتے رہے کہ جب قاری طیب صاحب کو مولانا مدنی پاکستان سے واپس لے آئے تو کیا دارالمصنّفین سے بھی کوئی ایسی سنجیدہ کوشش ہوئی۔ یہ سب تاریخ کے صفحات میں آنا ضروری ہے۔ یہی وہ تحریریں اور سوالات ہیں جن کی وجہ سے اس کتاب کے مصنف نے تصویر کے صاف رخ کو پیش کرنے کی ہمت کی اور سارے بزرگوں مولانا عبدالباری، مولانا گیلانی، رشید احمد صدیقی کی جزئیات سے شاہ غلام محمد اور ابوعلی اثری کی مفصلات تک کا جائزہ لے کر حقیقت اس طرح بیان کردی کہ اب اس موضوع پر ھل من مزید کی آواز شاید ہی بلند ہوسکے، فاضل مولف کے والد ماجد عرصہ تک دارالمصنّفین میں رہے۔ سید صاحب کے عزیز قریب بھی تھے، اس لیے واقعات پر بھی قریبی نظر تھی، انہوں نے سید صاحب کی ہجرت و رحلت کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد کو خط لکھا، فاضل مرتب نے اس خط کی اشاعت پر دل کو آمادہ نہیں پایا لیکن یہ اندیشہ ضرور رہا کہ علمی دنیا میں سید صاحب کے متعلق بدگمانی اور نہ بڑھے، اس خط کو شائع کردیا اور یہی اس کتاب کی روح ہے۔ گمان یہ ظاہر کیا گیا کہ اصلاً یہ خط سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم کا لکھا ہے لیکن مولانا آزاد کی خدمت میں بھیجنے والے کی حیثیت سے اس پر نام جناب محمد اسلم مرحوم کا ہے۔ یہ خط کیا ہے، ایک شہر آشوب ہے، لاکھ تکلیف دہ سہی لیکن انسانوں کی طبعی کمزوریوں کی حقیقت بہرحال اس سے ظاہر ہوکر رہتی ہے۔ اداروں میں نزغ شیطان کی کارفرمائی، ابتلاء و آزمائش کا سبب کس طرح بنتی ہے، یہ خط اس کا عجب ترجمان ہے، کوئی کیا اشارہ کرے، بس کتاب ہی سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ادب میں اظہار رائے یا اظہار حقیقت کا شوروغوغا ہے، ورنہ تہذیب کی متانت اس قسم کی آزادی کو روا نہیں سمجھ سکتی۔

ع۔ص

رسید کتب موصولہ

بمبئی کی بزم علمیہ: مرتب پروفیسر عبدالستار دلوی، مکتبہ جامعہ، پرنس بلڈنگ، جے جے اسپتال، ممبئی۔

قیمت: ۳۵۰/روپے

تجلیات حدیث: مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، بیت الحکمت کریم الدین پور، گھوسی، مئو، یوپی۔

قیمت: درج نہیں

تذکرہ حکیم عبدالقوی دریابادی: نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی، الفرقان بک ڈپو، نظیر آباد، لکھنؤ۔

قیمت: ۱۲۵/روپے

خطبات سیرت: ڈاکٹر سید سلمان ندوی، علامہ سید سلیمان ندوی تحقیقات اسلامی، لکھنؤ۔

قیمت: ۲۰۰/روپے

خطوط مشاہیر بنام مولانا محمد عمران خان ندوی حصہ اول دارالمصنّفین: مرتب پروفیسر مسعود الرحمٰن خاں ندوی، مولانا محمد عمران خان ایجوکیشنل اینڈ سوشل ویلفیر سوسائٹی، بھوپال۔

قیمت: ۴۰۰/روپے

شوق آخرت: مترجم و شارح مولانا عبدالماجد دریابادی، مرتب نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی، مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ۔

قیمت: ۸۰/روپے

صحابی کی تعریف اور صحابہ کے مقام و مرتبہ کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ: مولانا عتیق احمد بستوی، مکتبہ احسان، لکھنؤ۔

قیمت: ۸۰/روپے

نقوش حیات: محمد شکیل استھانوی، بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ۔۴

قیمت: ۳۰۰/روپے

نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: حکیم سید محمدی صاحبؒ، ترجمہ ڈاکٹر سید احسن الظفر، علامہ سید سلیمان ندوی تحقیقات اسلامی، لکھنؤ۔

قیمت: ۲۰۰/روپے

وقائع احمد (جلد اول): تحقیق و تجدید سید سحبان ثاقب ندوی، مکتبۃ الشباب العلمیہ، ٹیگور مارگ، ندوہ روڈ، لکھنؤ۔

قیمت: ۳۵۰/روپے

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

کتاب	قیمت
سیرۃ النبیؐ جلد اول ودوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-
سیرۃ النبیؐ	
(خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں)	2200/-
علامہ شبلی وسید سلیمان ندوی	
مقدمہ سیرۃ النبیؐ	30/-
الفاروق	300/-
الغزالی	200/-
المامون	175/-
سیرۃ النعمان	300/-
سوانح مولانا روم	220/-
شعرالعجم اول	300/-
شعرالعجم دوم	150/-
شعرالعجم سوم	125/-
شعرالعجم چہارم	200/-
شعرالعجم پنجم	150/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی	350/-
(محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	
الکلام	250/-
علم الکلام	200/-

کتاب		قیمت
موازنہ انیس و دبیر		250/-
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر		100/-
سفرنامہ روم ومصر وشام		200/-
کلیات شبلی (اردو)		220/-
کلیات شبلی (فارسی)		45/-
مقالات شبلی اول (مذہبی)		170/-
مرتبہ: سید سلیمان ندوی		
مقالات شبلی دوم (ادبی)	//	70/-
مقالات شبلی سوم (تعلیمی)	//	80/-
مقالات شبلی چہارم (تنقیدی)	//	200/-
مقالات شبلی پنجم (سوانحی)	//	150/-
مقالات شبلی ششم (تاریخی)	//	90/-
مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ)	//	100/-
مقالات شبلی ہشتم (قومی واخباری)	//	110/-
خطبات شبلی	مرتبہ: عبدالسلام ندوی	80/-
انتخابات شبلی	مرتبہ: سید سلیمان ندوی	45/-
مکاتیب شبلی اول	//	150/-
مکاتیب شبلی دوم	//	190/-
اسلام اور مستشرقین چہارم	(علامہ شبلی کے مقالات)	250/-

ISSN 0974 - 7346 Ma'arif (Urdu) -Print
January 2019 Vol - 203 (1)
RNI. 13667/57 MA'ARIF AZM/NP-43/019
Monthly Journal of
Darul Musannefin Shibli Academy
P.O.Box No: 19, Shibli Road, Azamgarh, 276001 U.P. (India)

مطبوعات شبلی صدی

۱۔	سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	علامہ شبلی نعمانی	2000/-
۲۔	شبلی کی آپ بیتی	ڈاکٹر خالد ندیم	325/-
۳۔	دارالمصنّفین کے سو سال	کلیم صفات اصلاحی	350/-
۴۔	شذرات شبلی (الندوہ کے شذرات)	مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	220/-
۵۔	محمد شبلی لائف اینڈ کنٹری بیوشنس	ڈاکٹر جاوید علی خاں	230/-
۶۔	حیات شبلی	علامہ سید سلیمان ندوی	650/-
۷۔	مولانا الطاف حسین حالی کی یاد میں	اشتیاق احمد ظلی	250/-
۸۔	حیات سعدی	تصنیف: خواجہ الطاف حسین حالی	400/-
۹۔	شبلی شناسی کے اولین نقوش	مرتبہ: ظفر احمد صدیقی	600/-
۱۰۔	شبلی ایک دبستان	آفتاب احمد صدیقی	250/-
۱۱۔	متاع رفتگاں	شاہ معین الدین احمد ندوی	200/-
۱۲۔	یہود اور قرآن مجید	مولانا ضیاء الدین اصلاحی	150/-
۱۳۔	رسائل شبلی	علامہ شبلی نعمانی	300/-
۱۴۔	اردو ترجمہ مکاتیب شبلی	ڈاکٹر خالد ندیم	110/-
۱۵۔	تاریخ بدء الاسلام (علامہ شبلی نعمانی)	مرتبہ: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	300/-
۱۶۔	مراسلات شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	150/-
۱۷۔	مطالعات شبلی	مرتبہ: اشتیاق احمد ظلی	550/-
۱۸۔	الفاروق (ہندی)	علامہ شبلی نعمانی	450/-
۱۹۔	الندوہ (جلد ۱۔۹)		4735/-